محدثین کی قوتِ حفظ

تاریخ کی روشنی میں

تالیف:

محمد ابوبکر غازی پوری

مدرس جامعہ اسلامیہ، ڈابھیل (گجرات)

ناشر

المکتبۃ الاثریۃ قاسمی منزل سید واڑہ غازیپور

محدثین کی قوّتِ حفظ

تاریخ کی روشنی میں

تالیف

محمد ابوبکر غازیپوری جامعہ اسلامیہ ڈابھیل (گجرات)

ناشر

المکتبۃ الاثریۃ قاسمی منزل سید واڑہ، غازیپور

نام کتاب	محدثین کی قوتِ حفظ تاریخ کی روشنی میں
تالیف	محمد ابوبکر غازیپوری
ناشر	المکتبۃ الاثریہ سید واڑہ، غازیپور
تعداد اشاعت	۱۰۰۰ ایک ہزار
سنہ اشاعت	سنہ ۱۴۰۰ھ سنہ ۱۹۸۰ء
مطبع	نشاط پریس ٹانڈہ
قیمت	۱۲ روپے

ملنے کے پتے

(۱) المکتبۃ الاثریہ قاسمی منزل سید واڑہ، غازیپور

(۲) جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع بلسار، گجرات

(۳) ابوالقاسم نعمانی جامعہ اسلامیہ ریوڑی تالاب، بنارس

فہرست

مقدمہ

از
مورخ اسلام مولانا قاضی اطہر مبارکپوری مدیر البلاغ بمبئی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم وآلہ واصحابہ اجمعین۔ اللہ تعالیٰ نے امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو جن امتیازات وکرامات سے نوازا ہے ان میں دینی علوم کی کثرت و وسعت اور ان کے حاملین میں حفظ واتقان کی بے پناہ قوت وطاقت بہت ہی ممتاز کرامت ہے اور دوسری بہت سی خصوصیات کے علاوہ اس مجد و شرف میں بھی دنیا کی کوئی اگلی پچھلی امت اس کی ہمسری نہیں کر سکتی ہے۔

ان ہی دینی علوم کے حاملین کے حفظ واتقان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر یعنی قرآن حکیم کی حفاظت وصیانت فرماکر اس کی نسبت اپنی طرف فرمائی ہے ارشاد ربانی ہے۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝ ہم ہی نے قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اسکے محافظ ہیں

یہ علمائے اسلام کیلئے سب سے بڑا مجد و شرف ہے فیضانِ الٰہی ہے پھر ان میں اہل طائفہ منصورہ، یعنی حضراتِ محدثین وحفاظ حدیث کے وعی وحفظ، ذکاوت وذہانت، سلامتی ذات، اثباتِ عقل وحواس، اصابت رائے، صحتِ فکر ونظر اور تفقہ وتدبر کی شادابی وتوانائی اور تازگی کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور سے یہ دعا فرمائی ہے۔

نَضَّرَ اللّٰہُ امْرَأً سَمِعَ مَقَالَتِي فَوَعَاهَا فَأَدَّاهَا كَمَا سَمِعَهَا ۔ اللہ تعالیٰ اس شخص کو تر وتازہ رکھے جس نے میری بات سنکر اسے یاد رکھا پھر بعینہٖ اسی کو دوسروں تک پہونچایا۔

اسی کا نتیجہ ہے کہ حضرات محدثین کی زندگی، اور ان کے علم وعمل میں نضارت، تر وتازگی اور شادابی وسر سبزی کی جو بہار پائی جاتی ہے دوسرے علوم کے حاملین میں اس کی نظیر نہیں ملتی ہے اور صفتِ حفظ ویادداشت اس طبقہ میں اعجاز کی حد تک موجود ہے۔ اور یہ بات کیوں نہ ہو

جب کہ حدیث کی طرف سے دفاع کے لئے سند کے بعد قوتِ حفظ سب سے کامیاب حربہ ہے جس کے ذریعہ محدثین نے کذابین و مفترین و ملحدین و وضاعین کی دسیسہ کاریوں اور دست درازیوں سے احادیث رسول کے خزانہ کو محفوظ رکھا ہے۔

صدر اسلام میں دینی علوم و فنون کا بیشتر سرمایہ علمائے اسلام کے حفظ کے محافظ خانہ میں رہا۔

جب تیسری صدی کے وسط میں احادیث و سیر اور دیگر علوم کی باقاعدہ تدوین و تالیف ہوئی اور جوامع و مسانید کی صورت میں سینہ کا علم سفینہ میں آیا تو قوت حفظ ریادداشت میں یک گونہ اضمحلال پیدا ہونے لگا۔ امام ذہبی نے تاریخ اسلام میں لکھا ہے۔

قبل ھٰذا العصر کان سائر الائمۃ یتکلمون من حفظھم او یروون العلم من صحف صحیحۃ العلم غیر مرتبۃ فھل وللہ الحمد۔ تناول العلم واخذ الحفظ ینتقص (ج ۶ صفحہ ۶)

اس دور سے پہلے تمام ائمہ دین اپنے حافظہ اور یادداشت سے احادیث وغیرہ بیان کرتے تھے یا صحیح اور غیر مرتب صحیفوں سے روایت کرتے تھے مگر الحمد للہ کہ علوم کی تدوین کے بعد حصول علم آسان ہوگیا اور قوتِ حفظ کم ہونے لگی۔

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کتابوں کی تدوین کے بعد ان پر اعتماد کی وجہ سے یہ مجد و شرف علمائے اسلام سے ختم ہوگیا بلکہ بعد کے ادوار میں بھی یہ صفت پوری توانائی کے ساتھ علماء میں موجود رہی اور متاخرین میں ایسے ایسے حفاظ پیدا ہوئے جنھوں نے متقدمین کی یاد تازہ رکھی۔ اس طرح طائفۂ منصورہ، محدثین کے حق میں نبوی دعا کا اثر سرسبزی و شادابی کی صورت میں آج تک نمایاں ہے اور انشاء اللہ قیامت تک سدابہار بنکر باقی رہے گا۔

جن محدثین کی ذات حدیث کی روایت و درایت، توثیق و تضعیف، اور حفظ و اتقان کے بارے میں حجت ہے۔ اور جو حفاظ حدیث کی حیثیت سے عبقریت و امامت کا مقام

ومرتبہ رکھتے ہیں ان کے حالات میں مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں چنانچہ امام ذہبی نے اپنی مشہور و ضخیم کتاب تذکرۃ الحفاظ میں عہد صحابہ سے لیکر اپنے دور تک کے حفاظ حدیث کو گیارہ طبقات میں بیان کیا ہے۔ اس کتاب میں کسی ایسے محدث کا تذکرہ نہیں ہے جو اپنی جلالت شان کے باوجود حفاظ حدیث میں شمار نہیں کیا جاتا ہو۔ امام ابو المحاسن حسینی دمشقی متوفی ۷۶۵ھ نے اس کا ذیل اور تکملہ لکھا اس کے بعد امام تقی الدین ابن فہد متوفی ۸۷۱ھ نے لحظ الالحاظ کے نام سے اس کا ایک ذیل لکھا۔ اس پر امام جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے اس کا ایک ذیل لکھا جس میں امام ذہبی کے بعد سے اپنے زمانہ تک کے حفاظ حدیث کا تذکرہ لکھا۔ نیز امام سیوطی نے طبقات الحفاظ (اخبار الحفاظ) کے نام سے تذکرۃ الحفاظ کی تلخیص کی۔ یہ سب کتابیں ہندوستان اور مصر میں چھپ چکی ہیں۔

ان کتابوں کے علاوہ طبقات و رجال اور تراجم کی عام کتابوں میں علمائے اسلام کی قوتِ حافظہ اور یادداشت کے بے شمار حیرت انگیز واقعات پائے جاتے ہیں۔

یہ افتخار مردوں کی طرح عورتوں کو بھی حاصل ہے اور بہت سی محدثات وفقیہات حفظ و یادداشت کی بے پناہ دولت رکھتی ہیں۔ مثلاً امام ابو محمد سراج الدین عبد الرحمن بن عمر حرانی متوفی ۲۴۳ھ کی ایک صاحبزادی جو دونوں آنکھوں سے معذور تھیں زبردست محدثہ تھیں صحاح ستہ کا پورا ذخیرہ ان کو زبانی یاد تھا کہ جب ان سے کسی باب میں سوال کیا جاتا تو اسی وقت اس کے بارے میں حدیث سنا دیتی تھیں اور ہر علمی و دینی مسئلہ کا جواب فوراً دیا کرتی تھیں (طبقات الحنابلہ) اسی طرح امام زین الدین علی بن ابراہیم متوفی ۵۹۹ھ کی والدہ ماجدہ اپنے حافظہ کی وجہ سے اعجوبۂ روزگار مانی جاتی تھیں ان کے والد امام الفرج عبد الواحد بن محمد دمشقی متوفی ۴۸۶ھ نے کتاب الجواہر کے نام سے تیس جلدوں میں قرآن حکیم کی تفسیر لکھی تھی جو پوری کی پوری صاحبزادی کو ازبر تھیں۔ (طبقات المفسرین جلد ۱ صفحہ ۳۶۲ و طبقات حنابلہ)

خواتین اسلام کی قوت یادداشت کے حیرت انگیز واقعات بھی طبقات و تراجم کی کتابوں میں موجود ہیں ان کا نمونہ راقم کی کتاب "بناتِ اسلام کی علمی و دینی خدمات" (زیر طبع) میں دیکھا جاسکتا ہے۔

اس سلسلے میں ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ بصارت سے محروم افراد میں بصیرت ذکاوت، ذہانت اور حفظ و یاد داشت اور احساس و ادراک کی طاقت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ خاص طور سے اندھے آدمی حفظ و یاد داشت میں ضرب المثل ہوتے ہیں۔ میدانی نے کتاب الامثال میں ان کے حافظہ کے بارے میں احفظ من العمیان کی مثل بیان کی ہے (نکت الہمیان صفہ ۸۳) علماء و فضلاء کے حیرت انگیز واقعات کے لیے جاحظ متوفی ۲۵۵ھ کی کتاب البرصان، والبرجان، والعمیان، والحولان اور امام صلاح الدین خلیل صفدی متوفی ۷۶۴ھ کی کتاب نکت الہمیان فی نکت العمیان ملاحظہ ہو۔ بینائی سے محروم اور حفظ و یاد داشت کی دولت سے مالا مال

محدثین کی طرح شعراء و ادباء اور دیگر ائمۂ علم و فن بھی حفظ کی دولت سے مالا مال تھے اصمعی، ابن الاعرابی، ابن بشار انباری جیسے ہزاروں علمائے شعر و ادب اس بارے میں عبقریت رکھتے ہیں۔ ہمارے عہد کے مشہور عالم و ادیب مولانا عبد العزیز میمنی راجکوٹی کو کم سے کم عربی زبان کے دو لاکھ اشعار زبانی یاد تھے۔

قوتِ حفظ اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت ہے جس کے استحقاق کیلئے محنت و ریاضت، زہد و تقویٰ، للٰہیت و ترک معاصی ضروری ہے۔ بہت سے اعمال قبیحہ سے ذہول و نسیان اور سوء حفظ کی بیماری پیدا ہوتی ہے اور اس نعمتِ خداوندی کی ناقدری کا نتیجہ محرومی ہوتا ہے حضرت امام شافعیؒ اور ان کے استاد حضرت امام وکیع بن جراح کا یہ مکالمہ اس بارے میں تلامذہ و اساتذہ کیلئے باعث عبرت و نصیحت ہے۔

شکوت الیٰ وکیع سوء حفظی ۔۔۔ فاوصانی الیٰ ترک المعاصی

فان العلم نور من الٰہ ۔۔۔ ونور اللہ لا یعطیٰ لعاصی

اسی کے ساتھ ائمۂ اسلام نے اپنی پوری قوت حافظہ کے اضافہ و بقا کیلئے غذا اور دوا کا خاص اہتمام فرمایا ہے اور مضر اشیاء سے پرہیز کر کے مفید اشیاء کا استعمال کیا ہے۔ کتابوں میں علماء کی ایسی غذاؤں اور دواؤں کا تذکرہ ملتا ہے جو اسکے بارے میں مجرب ہیں۔ ادر

ان سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

فاضل نوجوان عزیزی مولوی ابو بکر صاحب غازی پوری سلمہ ربہ کو اللہ تعالیٰ نے تعلیم وتدریس کے ساتھ تصنیف و تالیف کی توفیق سے نوازا ہے اور اس نوعمری ہی میں وہ کامیاب مدرس اور اچھے لکھنے والے بن گئے ہیں۔ اردو عربی میں ان کے علمی و دینی اور تحقیقی مقالات ومضامین چھپتے رہتے ہیں بعض کتابیں بھی لکھ چکے ہیں جنکو دیکھکر بجا طور پر ان سے خوش آئند توقعات وابستہ ہیں۔

پیش نظر کتاب "محدثین کی قوتِ حفظ" ان کی تازہ تالیف ہے جنمیں پچہتر حفاظ حدیث وائمہ دین کے مقدس حالات اور ان کے حفظ و یادداشت کے حیرت ناک اور عبرتناک واقعات بیان کیے گئے ہیں جنکو پڑھکر دینی وعلمی ذوق وشوق پیدا ہوتا ہے اور قلب وروح میں بشاشت اور تازگی محسوس ہوتی ہے۔ یہ وہ صلحائے امت ہیں جن کے ذکر کے وقت رحمتِ خداوندی کا نزول ہوتا ہے۔

میں نے کتاب کا مسودہ جستہ جستہ دیکھا ہے۔ بعض جگہ زبان و بیان کی بعض کمزوریوں کے باوجود کتاب نہایت دلچسپ اور عبرت آموز ہے اور اس سے مؤلف سلمہٗ کے خلوص، محنت اور علمی ذوق کا اندازہ ہوتا ہے۔ جو کچھ لکھا ہے معتبر اور مستند کتابوں کے حوالہ سے لکھا ہے اس لئے واقعات کی صحت میں کلام نہیں کیا جاسکتا ہے۔ یہ کتاب ہر لکھے پڑھے آدمی کیلئے نہایت دلچسپ ہے خاص طور سے ہمارے مدارس عربیہ میں پڑھنے پڑھانے والوں کے لئے مہمیز کا کام دے سکتی ہے۔ اور اساتذہ اور تلامذہ اس کے مطالعہ سے بہت کچھ سبق سیکھ سکتے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مقبولیت دے اور اس کے مؤلف سلمہٗ اللہ کو علمی، دینی خدمات کی مزید توفیق عطا فرمائے (آمین) واللہ الموفق

قاضی اطہر مبارکپوری

۲۰ محرم الحرام ۱۳۹۷ھ

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میں اپنی کتاب "مکانۃ الامام ابی حنیفہ فی علم الحدیث" کی تسوید و ترتیب میں گذشتہ دو سال سے لگا رہا۔ مجھے اس سلسلہ میں تراجم و سیر کی کتابوں کے ہزاروں صفحات کا مطالعہ کرنا پڑا۔ دوران مطالعہ محدثین کے حالات زندگی میں ایسے واقعات سامنے آتے رہے کہ اگر سب کو جمع کر لیا جاتا اور اسے کتابی شکل میں پیش کر دیا جاتا تو ایک نہایت ہی عمدہ، دلچسپ، گوناگوں اور بوقلموں کشکول وہ کتاب بن جاتی اور طلبہ کے لئے دماغی تفریح اور تشویق کا ایک عمدہ سامان فراہم ہو جاتا۔

لیکن مجھے اتنی فرصت نہ تھی کہ میں ان سارے حالات و واقعات کو جمع کر لیتا۔ البتہ محدثین کی قوت یادداشت کے سلسلہ کے جو حیرت انگیز واقعات نظر آتے گئے۔ میں اسے جمع کرتا رہا۔ اور اب مزید تنقیح کے ساتھ انھیں واقعات کو آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔

میری نظر میں عربی و فارسی اور اردو ہماری ان علمی زبانوں میں اس موضوع پر مستقلاً کوئی کتاب ابتک پیش نہیں کی گئی ہے۔ ہاں علامہ سیوطی نے اس موضوع پر قلم اٹھایا تھا "اخبار الحفاظ" کے نام سے ایک تصنیف کی تھی جس کا ایک غیر مطبوعہ نسخہ دمشق کے کتب خانہ ظاہریہ میں ہے۔ اس ایک کتاب کے علاوہ اب تک اس

موضوع پر دوسری کسی کتاب کا مجھے پتہ نہیں چل سکا اس لحاظ سے پیش نظر کتاب اپنے موضوع پر پہلی مطبوعہ کتاب ہے۔ توقع ہے کہ اہل علم حضرات کے لیے یہ کتاب ایک عمدہ تحفہ ہوگی اور وہ اسے قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے۔

میں نے اس کتاب میں پچھہتر محدثین کا ذکر کیا ہے۔ اور قوتِ یادداشت کے واقعہ کے سوانح کے ترجمہ میں ذرا بسط سے کام لیا ہے تاکہ اُن کی علمی، دینی، اور روحانی زندگی پر بھی ایک ہلکی سی نگاہ ہو جائے۔

اہتمام اس کا بھی کیا ہے کہ جن محدثین کا سنہ ولادت اور سنہ وفات کا علم ہو سکا ہے اسے ضرور ذکر کر دیا جائے۔ صاحب ترجمہ کے اساتذہ و تلامذہ کا بھی ذکر خاص طور پر کیا گیا ہے۔ طلب علم کی راہ میں محدثین کے دشوار گذار علمی رحلات کا بھی ذکر آتا گیا ہے جو بجائے خود ایک دلچسپ تذکرہ ہے۔

اگرچہ بعض تراجم میں اختصار و اجمال سے کام لیا گیا ہے مگر اس کا اہتمام کیا گیا ہے کہ جن کا ترجمہ درج ہو اس کی کتاب زندگی پر ایک اجمالی نظر ہو جائے۔ بعض تراجم آپ بہت مختصر دیکھیں گے اس کی غالب وجہ یہ رہی ہے کہ مجھے اس ترجمہ کے سلسلے کا مواد زیادہ فراہم نہ ہو سکا۔

خطا اور لغزش سے پاکی تو اس پاک ذات کیلئے ہے جسکا علم سارے عالم کو محیط ہے اہل علم سے گذارش ہے کہ اس کتاب کے سلسلہ میں مجھے اپنے اصلاحی مشوروں سے ضرور نوازیں۔

اخیر میں اپنے ان سارے کرم فرماؤں کا تہ دل سے شکر گذار ہوں جن کے تعاون سے یہ کتاب طباعت و اشاعت کے مرحلے کو طے کر پائی ہے۔ ہر ایک کا نام لیکر میں اپنے مخلصانہ جذبات تشکر و امتنان کو رسمی نہیں بنانا چاہتا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سارے معاونین اور محسنین کو اپنے کرم بے پایاں سے نوازے۔

اس موقع پر میں اپنے مخدوم و بزرگ محترم حضرت مولانا قاضی محمد اطہر صاحب مبارکپوری دام مجدہ کا شکر گذار ہوں کہ انھوں نے اس کتاب پر اپنے گراں قدر مقدمے کا اضافہ فرماکر مصنف کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔ اس مقدمہ سے اس کتاب کی قدر و قیمت

میں اضافہ ہوا اور مؤلف کے لئے باعثِ طمانینت بنا۔

اخیر میں اپنے برادرِ عزیز مولانا ابوالقاسم صاحب نعمانی (فاضل دارالعلوم دیوبند) کا بطور خصوصی شکر گذار ہوں کہ جن کی ذاتی دلچسپی سے یہ کتاب بہت جلد کتابت و طباعت کے مراحل سے گذر گئی اگر ان کا مخلصانہ تعاون مجھے حاصل نہ ہوتا تو میں اتنی جلد یہ کتاب نذرِ قارئین نہیں کر سکتا تھا۔

محمد ابوبکر غازیپوری جامعہ اسلامیہ
ڈابھیل (گجرات)
یکم جنوری سنہ ۱۹۸۰ء

حضرت ابوہریرہؓ

ولادت　　　　وفات سنہ ۵۹ھ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی، احادیثِ رسول کے عالم و حافظ اور فقہائے صحابہ میں سے ایک بڑے فقیہہ ہیں۔

قبیلہ دوس کے رہنے والے تھے۔ جاہلیت میں عبد شمس نام تھا۔ اسلام لانے کے بعد ان کا نام عبدالرحمٰن بن صخر ہوا، اسلامی نام کے سلسلہ میں اختلاف ہے، مگر مشہور قول یہی ہے۔

ابوہریرہ کنیت ہے۔ فرماتے تھے کہ میں بچپن میں بکریاں چرایا کرتا تھا ایک روز جنگل سے بلی اور اس کے کچھ بچے پکڑ لایا، میرے والد نے اس وقت کہا انت ابو هر ہ، تم بلی والے ہو۔

ابوہریرہؓ کے والد کا انتقال بچپن ہی میں ہو گیا تھا، یتیمی اور فقیری کی زندگی گزارتے ہوئے جوانی کی منزل میں آئے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا آفتاب اپنی ضیاء پاشیوں سے خطہ عرب کو منور کر رہا تھا، ابوہریرہ کی سعید روح بھی اس نیرِ اعظم اور بدرِ منیر سے کسب فیض کے لئے بے چین تھی۔ مشہور قول کی بنا پر آپ غزوۂ خیبر کے سال مشرف بہ اسلام ہوئے۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس جنگ میں شرکت بھی کی تھی۔ یہ آپ کے داماد سعید بن المسیب کا قول ہے اور قیس بن حازم کہتے ہیں کہ آپ کو اسلام قبول کرنے کی سعادت جنگ کے اختتام پر حاصل ہوئی تھی۔

حضرت ابوہریرہؓ کی والدہ محترمہ بھی اسلام کی سعادت سے بہرہ یاب ہوئی تھیں، ابوہریرہؓ ان کے اسلام لانے کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

میں اپنی والدہ کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا رہا لیکن وہ کسی طرح اس پر آمادہ نہیں ہوتی تھیں، ایک دفعہ ان کی زبان سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں سب وشتم کے کلمات بھی نکلے، میں روتا ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور سارا قصہ کہہ سنایا اور آپؐ سے درخواست کی کہ آپؐ والدہ کی ہدایت کے لئے دعا فرمائیں، آپؐ نے اسی وقت ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی، اس کے بعد میں جب گھر پہونچا تو دیکھا کہ والدہ اسلام لانے کے لئے آمادہ وتیار ہیں، میں خوشی کے آنسو بہاتا ہوا لوٹکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہ اسلام لائیں، پھر میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گذارش کی، آپؐ دعا فرمائیں کہ اللہ میری اور میری والدہ کی محبت لوگوں کے دلوں میں پیدا کردے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی۔

اللھم حبب عبیدک ھذا وامہ الی عبادک المؤمنین وحببھم الیھما۔ یعنی اے اللہ تو اپنے اس بندہ کو اور اس کی ماں کو لوگوں کا محبوب بنا دے اور ان کی محبت ان کے قلوب میں پیدا فرمادے۔

ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اس دعا کا اثر یہ تھا کہ جو ہم دونوں کو دیکھتا یا ہمارے بارے میں سُنتا وہ ہم سے محبت کرنے لگتا۔

ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث دلائل نبوت میں سے ہے، فان اباھریرۃ محبوب الی جمیع الناس وقد شھر اللہ ذکرہ۔ اس لئے کہ ابوہریرہؓ سب لوگوں کے محبوب ہیں اور اللہ نے ان کو شہرتِ عام بخشی ہے۔

اگرچہ ابوہریرہؓ کا اسلام بہت متأخر ہے اور آپ کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے صرف تین ساڑھے تین سال اسلامی زندگی میں ملے مگر اسلام لانے کے بعد آپ مستقل آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور ملازمت میں رہے۔ سفر ہو یا حضر، مجلسِ عام ہو یا مجلس خاص آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتے یہی وجہ ہے کہ آپ دوسرے صحابہ کے مقابلہ میں زیادہ... کثیر الروایات ہیں، نیز اسی کے ساتھ ساتھ علم کا ذوق اور شوق بھی خوب تھا اس وجہ سے آپؓ

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات سُنتے اور محفوظ رکھتے، ابن کثیرؒ کہتے ہیں کان احرص شیٔ علیٰ سماع الحدیث یعنی حدیث کا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سُننا اور سمجھنا ہی آپ کی سب سے بڑی حرص تھی۔

آپ کا شمار اصحابِ صفّہ میں ہے جن کی زندگی کا مقصدِ اعلیٰ یہی تھا کہ علم دین سیکھیں اور اس کو محفوظ رکھیں، علوم شرعیہ میں تفقہ اور بصیرت حاصل کریں اور اس کی تبلیغ و اشاعت کریں بسا اوقات لوگ آپ کی کثرتِ حدیث سے خوش نہیں ہوتے تھے اس کا احساس ابوہریرہؓ کو تھا اس پر وہ فرماتے کہ لوگ میرے بارے میں کہا کرتے ہیں کہ میں کثرت سے حدیث بیان کرتا ہوں، میرا حال تو یہ تھا کہ میں مسکین آدمی تھا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی صحبت میں رہتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ملازمت و صحبت کے طفیل میرے کھانے پینے کا انتظام ہوجاتا تھا۔ مہاجرین بازاروں میں اپنی تجارتوں میں لگے رہتے اور انصار اپنے کاروبار میں ہوتے (اس طرح مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سُننے اور آپؐ کی حرکت و عمل کے مشاہدہ کا مہاجرین و انصار سے زیادہ موقع تھا)

ایک دفعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، آج جو اپنی چادر بچھائے گا اور میری بات پوری ہوجانے پر اپنے سینہ سے اس کو لگا لیگا تو وہ جو چیز بھی مجھ سے سُنے گا وہ اُسے محفوظ رہے گی۔ میں نے اپنی چادر بچھادی، اس کے بعد قسم بخدا میں نے جو سُنا وہ مجھے یاد رہا۔

سارے علماء کا اتفاق ہے کہ ابوہریرہؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے سب سے بڑے عالم اور حافظ تھے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ابوہریرہ احفظ من روی الحدیث فی دھرہ یعنی ابوہریرہؓ اپنے زمانے کے سب سے زیادہ حدیث یاد رکھنے والے تھے، خود ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں ابن عمرؓ کے سوا مجھ سے زیادہ حدیث کا جاننے والا کوئی دوسرا نہیں تھا ابن عمرؓ حدیث لکھ لیا کرتے تھے اور میں لکھتا نہیں تھا۔

امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کان من اوعیۃ العلم و من کبار ائمۃ الفتویٰ مع الجلالۃ

والعبادة والتواضع یعنی ابوہریرہؓ تواضع، عبادت اور جلالتِ شان کے ساتھ ساتھ بڑے اسلام فتویٰ اور علم کے ظرف تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا آپ نے ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے بھی روایت کی ہے اور آپ سے روایت کرنیوالوں کی تعداد بقول امام بخاریؒ آٹھ سو ہے جس میں متعدد صحابہؓ بھی ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ کہا کرتے تھے کہ میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دو وعاء (ظرف) حدیث سُنی ہے، ایک وعاء تو میں نے ظاہر کردیا ہے اور اگر دوسرا وعاء ظاہر کردوں تو لوگ میری گردن کاٹ ڈالیں۔ ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ جن احادیث کو انھوں نے ظاہر نہیں کیا ہے وہ فتن طاحم اور بعد میں پیش آنے والے مشاجرات صحابہ سے متعلق احادیث تھیں۔

گزر چکا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کا حافظہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء کی برکت سے ایسا ہوگیا تھا، کہ آپ سے وہ جو بات سُن لیتے تھے، ذہن سے نکلتی نہیں تھی۔ ابتداء میں ان کا حافظہ ایسا نہیں تھا۔ ایک دفعہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت بھی کی تھی کہ وہ جو باتیں سنتے ہیں بھول جاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی چادر پھیلاؤ۔ انہوں نے چادر پھیلادی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ اپنے سینہ سے لگالو۔ انہوں نے اسے سینہ سے لگالیا، ابوہریرہؓ فرماتے ہیں فما نسیت حدیثا بعد، یعنی اس کے بعد مجھے کوئی حدیث بھولی نہیں۔

یہ واقعہ گزشتہ واقعہ سے پہلے کا معلوم ہوتا ہے۔ ان کی قوت حفظ ہی کے سلسلہ کا ایک واقعہ وہ ہے جس کو بعض اہل سیر نے بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ مروان نے (جس کو ابوہریرہؓ کی کثرتِ روایت کی بنا پر کچھ شبہ ہو چلا تھا) ان سے بہت ساری حدیث پوچھی اور انہوں نے ایک بڑی تعداد کی روایت کرڈالی، مروان نے اپنے سکریٹری ابوالزعزہ کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ خاموشی سے ان احادیث کو نوٹ کرتے رہیں، چنانچہ اس نے ابوہریرہؓ کی روایت کردہ ان ساری کثیر حدیث کو ایک کاپی میں محفوظ کرلیا، ایک سال بعد مروان نے ابوہریرہؓ کا امتحان لینے کیلئے کہا کہ وہ ساری حدیثیں جو آپ نے سالِ گذشتہ بیان کی تھیں گم ہوچکی ہیں، ابوہریرہؓ نے کہا کہ فکر کی بات نہیں ہے، میں پھر سے نوٹ

کرا دیتا ہوں، مروان نے ابوالزعزہ کو پردہ کے پیچھے بٹھلا دیا تاکہ وہ سال گزشتہ کی کاپی دیکھتے رہیں ابوہریرہؓ نے بیان کرنا شروع کیا، ابوالزعزہ کا بیان ہے کہ فما زاد ولا نقص یعنی انہوں نے نہ کسی لفظ کا اضافہ کیا نہ کم کیا۔ ابوہریرہؓ کی اس حیرت انگیز یادداشت دیکھ کر مروان کی رائے ان کے بارے میں بدلی۔

حضرت ابوہریرہؓ کی علمی دلچسپی کا اندازہ اس سے بھی لگتا ہے کہ باوجودیکہ وہ عبرانی زبان سے واقف نہیں تھے، مگر انہوں نے توراۃ کا ایک علم بھی اچھا خاصا حاصل کر لیا تھا جس پر حضرت کعب بن مالکؓ کو بھی حیرت تھی اور وہ فرماتے تھے کہ میں نے اب تک جن غیر اہل کتاب سے گفتگو کی ہے ان، میں ابوہریرہؓ سے زیادہ توراۃ کا واقف کار کوئی دوسرا نہیں، حالانکہ انہوں نے توراۃ پڑھی بھی نہیں ہے۔

عکرمہؓ ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنے گناہوں سے روزانہ۔ بارہ ہزار مرتبہ توبہ واستغفار کرتا ہوں، ان کے پاس ایک لمبا دھاگا تھا اس میں بارہ ہزار گرہیں پڑی تھیں رات کو سوتے وقت اس پر تسبیح پڑھ کر سوتے تھے۔

گھر کا معمول یہ تھا کہ پوری رات اہل خانہ یکے بعد دیگرے شب بیداری میں گزارتے اور صلوٰۃ و تسبیح، تہلیل و تحمید سے فضائے خانہ کو نورانی بنائے رہتے۔

ابو عثمان نہدی فرماتے ہیں کہ میں ابوہریرہؓ کا سات روز مہمان رہا، میں نے دیکھا کہ وہ اور ان کی بیوی اور ان کا خادم رات بھر یکے بعد دیگرے بیدار ہوتے اور عبادات میں مشغول رہتے۔

ابن کثیرؒ لکھتے ہیں۔ کان ابو ھریرہ من الصدق والحفظ والامانۃ والدیانۃ والزھد والعمل الصالح علی جانب عظیم۔ یعنی ابوہریرہؓ سچائی، حفظ، امانت، دیانت، زہد اور عمل صالح میں بڑا مقام رکھتے تھے۔

سخاوت کا عالم یہ تھا کہ ایک دفعہ مروان نے ان کے پاس ایک سو دینار ہدیہ بھیجا، ابوہریرہؓ نے اسی روز صدقہ و خیرات کر دیا۔

ابوہریرہؓ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بحرین کے گورنر بھی رہے تھے، حضرت معاویہؓ نے ان کو اپنے زمانہ میں مدینہ کا بھی گورنر بنایا تھا، مگر اس گورنری کے زمانہ میں بھی یہ بازار سے

سامان کا گٹھر خود لاتے تھے، عام انسانوں کی طرح اپنا کام خود کرتے تھے، اور راستہ چلتے بچوں سے ہنسی مذاق بھی کرلیا کرتے تھے اور مزاحًا فرماتے کہ لوگو! ہٹو، تمہارا حاکم آرہا ہے۔

ان کا انتقال مدینہ سے باہر مقام عقیق میں ہوا، جنازہ مدینہ لایا گیا اور مدینہ ہی میں نماز جنازہ پڑھی گئی اور بقیع میں مدفون ہوئے رضی اللہ عنہ

(کتاب الکنی، بخاری ص۳۳، البدایہ ج ۸ ص۱۰۳ ترجمہ ابو ہریرہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ

ولادت　　　　وفات سنہ ۶۸ھ

حبر الامۃ، ترجمان القرآن، مفسر کتاب اللہ جلیل القدر صحابی اور آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی ہیں، کثرتِ حدیث، کمالِ علم، وسعتِ نظر، تفقہ فی الدین، غایۃ عقل و فہم، حُسنِ صُورت جمالِ سیرت، فصاحتِ کلام، بلاغتِ بیان میں امتیازی اور انفرادی شان کے مالک تھے۔

اپنے دس بھائیوں میں سب سے خوردہ ہی تھے، ان کی والدہ کا نام ام فضل تھا جب وہ ان سے حاملہ ہوئیں تو حضرت عباسؓ نے اس کی اطلاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لعل اللہ ان یقر اعینکم بہ یعنی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے تمہاری آنکھوں کو ٹھنڈا کرے گا۔

جب یہ پیدا ہوئے تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لعاب مبارک سے ان کی تحنیک کی، ابن مجاہدؒ کا بیان ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لعاب مبارک سے اُن کے علاوہ کسی اور کی تحنیک نہیں کی ہے۔ حضرت شعبہؓ ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ فرماتے تھے کہ "میری پیدائش ہجرت سے تین سال بیشتر ہوئی تھی، اسوقت ہم لوگ شعب ابی طالب میں تھے"، نیز فرمایا کہ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی، تو میری عمر تیرہ سال کی تھی۔

آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال شفقت بچپن ہی سے آپ کو حاصل تھی جس کا نتیجہ تھا کہ کبار صحابہ بھی آپ کے ساتھ انتہائی محبت کا معاملہ کرتے تھے، حضرت عمرؓ آپ کو اپنے مشورے میں شریک رکھتے تھے، حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ میں نے دیکھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباسؓ کو

اپنے قریب بلایا اوران کے سر پر اپنا دستِ مبارک پھیرا اور دعا فرمائی۔ اللھم فقھہ فی الدین و
علمہ التاویل۔ اے اللہ ان کو دین کی سمجھ عطا کر دیجئے اور قرآن کی تفسیر کا عالم بنا دیجئے۔

ایک دفعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ آپ ان میں برکت پیدا کر دیجئے اور
انہیں علم دین کی اشاعت کا باعث بنا دیجئے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی زندگی میں دو دفعہ حضرت جبرئیلؑ کو آنحضور
صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دیکھا ہے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دفعہ میرے لئے "حکمۃ" کی دعا
فرمائی ہے ایک دفعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو سینہ مبارک سے لگایا اور فرمایا اللھم علمہ
الکتاب۔ اے اللہ ان کو کتاب کا علم دے۔

ایک دفعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہ صحیح ہے کہ انہوں نے جبریل کو دیکھا ہے، تو
آخر عمر میں نابینا ہو جائیں گے اور انہیں علم دیا جائے گا، ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ ہوا بھی یونہی،

حضرت ابن عباسؓ نے خود بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سی احادیث روایت کی
ہیں، اس کے علاوہ اکابر صحابہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت کعب رضی اللہ عنہم وغیرہ سے بھی
کثرت سے روایت کی ہے، آپ کی روایتوں میں مراسیل کی کثرت ہے۔

ان کو حصول علم کا شوق بچپن ہی تھا صحابہ کے پاس تشریف لیجاتے اور اُن سے وہ باتیں،
معلوم کرتے جو ان کے علم میں نہ ہوتیں، فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ اپنے ایک انصاری ساتھی سے کہا۔
کہ ہمیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ سے جو ابھی بڑی تعداد میں موجود ہیں، وہ باتیں معلوم
کر لینا چاہئے جس سے ہم واقف نہیں ہیں۔ اس پر میرے انصاری ساتھی نے کہا کہ ابن عباس
تم پر تعجب ہے! کیا تم سمجھتے ہو کہ ان کبار صحابہ کی موجودگی میں تمہاری طرف کوئی توجہ بھی کرے گا،
اور تمہارے علم کی اُن کو ضرورت بھی ہوگی؟ چنانچہ اس نے میرا ساتھ نہیں دیا، اور میں جس صحابی
کے بارے میں معلوم ہوتا کہ اسے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث کا علم ہے اس کے پاس جاتا
اور اس سے وہ حدیث سیکھ لیتا، کبھی معلوم ہوتا کہ وہ صحابی قیلولہ کر رہے ہیں تو میں دروازہ پر

ٹیک لگا کر بیٹھ جاتا، گرد وغبار سے میرا چہرہ اَٹ جاتا، جب وہ خود باہر آتے تو میں اُن سے حدیث معلوم کرتا، کبھی وہ کہتے، اے ابن عم رسول آپ نے کیوں زحمت فرمائی، مجھے آپ بلا بھیجتے، آپ فرماتے، نہیں میرا ہی حق ہے کہ میں خود حاضر ہوں، پھر میں اس صحابی سے حدیث سنتا، فرماتے ہیں کہ میرا ساتھی زندہ رہا اور اس نے دیکھا کہ صحابہ کی موجودگی ہی میں لوگ میرے پاس جمع ہونے لگے تھے اور مجھ سے علمی استفادہ کرتے، میرا وہ ساتھی کہا کرتا تھا کہ ابن عباس مجھ سے زیادہ عاقل ثابت ہوئے۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں اکابر صحابہ کی صحبت میں رہتا تھا، ان میں مہاجر بھی ہوتے اور انصار بھی، میں ان سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات اور غزوات کے سلسلہ کی آیتوں کے بارے میں معلومات حاصل کرتا تھا، میں جس صحابی کے پاس جاتا وہ مجھے دیکھ کر خوش ہوتا، فرماتے ہیں کہ میں کبھی ایک مسئلہ کے بارے میں تیس تیس صحابی سے معلومات حاصل کیا کرتا تھا

ابن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ آپ کو یہ علم کہاں سے حاصل ہوا ؟ آپ نے فرمایا کہ بلسان مسئول وقلب عقول، بہت زیادہ سوال کرنے والی زبان اور بہت زیادہ سمجھنے والے دل کی بدولت۔

حضرت عمرؓ ابن عباسؓ کے اِس علم وفہم، عقل اور تفقہ کی وجہ سے ہمیشہ ان کو اکابر صحابہ کی مجلس میں جگہ دیتے، ایک دفعہ ان کے والد حضرت عباسؓ نے ان سے کہا، میں دیکھتا ہوں کہ حضرت عمرؓ تم کو اکابر صحابہ کے ساتھ رکھتے ہیں، تم میری تین باتیں یاد رکھو، پہلی بات تو یہ ہے کہ ان کے کسی راز کو کبھی فاش مت کرنا، دوم اُن کے پاس کسی کی غیبت مت کرنا، سوم یہ کہ کبھی ایسا نہ ہو کہ وہ تم کو کسی بات میں .... دروغ گو جانیں، ابن شعبی فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عباسؓ سے کہا کہ ان میں سے ہر بات قیمت میں ایک ہزار درہم سے بھی گراں قدر ہے، آپ نے فرمایا کہ ہاں، بلکہ دس ہزار درہم سے بھی،

حضرت ابن عباسؓ نے حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ ہی میں فتویٰ دینا شروع کر دیا تھا اور آپ کے علم وتفقہ سے بڑے بڑے صحابہ متاثر تھے، سعد بن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سُنا کہ وہ کہا کرتے تھے کہ میں نے ابن عباسؓ سے زیادہ وسیع الحلم، کثیر العلم عاقل اور

حاضر الفہم کسی اور کو نہیں دیکھا، حضرت عمرؓ ان سے مسائل مہمہ اور مشکلہ میں مشورہ لیتے، اور انصار و مہاجرین صحابہ کی موجودگی میں ان سے اپنے اشکالات کا حل دریافت کرتے تھے اور ابن عباسؓ جو کہدیتے پھر اس سے وہ تجاوز نہیں کرتے تھے۔

ہشام بن عروہ اپنے والد سے راوی ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے ابن عباسؓ کی مجلس سے زیادہ معزز اور باہیبت دوسری مجلس نہیں دیکھی اور نہ اُن سے زیادہ کسی فقہ والے کو دیکھا، اُن کی مجلس میں ہر طرح کے لوگ ہوتے، کوئی قرآن کے بارے میں سوال کرتا، کوئی عربیت کے بارے میں سوال کرتا، جنہیں اشعار کا ذوق ہوتا وہ اس کے بارے میں سوال کرتے، اور ابن عباسؓ سب کا اس طرح جواب دیتے کہ گویا وہ علوم کی ایک وسیع وادی میں ہیں۔

عبداللہ بن عتبہ فرماتے ہیں کہ میں نے احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کے قضایا کا ابن عباسؓ سے بڑا عالم نہیں دیکھا، یہی حال ان کا فقہ ورائے، شعر و عربیت، تفسیر، فرائض و حساب وغیرہ میں بھی تھا، کہ ان کے زمانہ میں ان علوم میں ان کا ثانی کوئی دوسرا نہیں تھا۔

لوگوں کا بیان ہے کہ ابن عباسؓ کے دروازہ پر استفادہ کرنے والوں کا ازدحام رہا کرتا تھا حتیٰ کہ راستے تک تنگ ہو جاتے، اور گھر میں کثرتِ ازدحام کی وجہ سے گنجائش تک باقی نہیں رہتی۔

ابو صالح فرماتے ہیں۔ فلو ان قریشا کلھا فخرت بذالک لکان فخراً فما رأیت مثل ھذا لاحد من الناس، اگر قریش اس پر فخر کریں تو فخر کی بات ہے میں نے اس جیسی بات کہیں اور نہیں دیکھی، ان واقعات سے ایک طرف تو ابن عباس رضی اللہ عنہ کے علم کا کچھ اندازہ لگتا ہے دوسری طرف اس سے آپ کی قوتِ حفظ اور جودتِ ذہن کا بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ کا سارا علم آپ کے سینہ میں محفوظ تھا، اور جو کچھ آپ فرماتے زبانی فرماتے اور اپنی خداداد قوتِ حفظ سے فرماتے۔

ابن عبدالبرؒ نے اپنی کتاب جامع بیان العلم میں ابن عباسؓ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ صرف، ایک دفعہ سنکر طویل طویل قصائد یاد کر لیا کرتے تھے، چنانچہ انہوں نے عمر بن ربیعہ کا

قصیدہ جس کے تقریباً ستر شعر ہیں اور وہ بھی بحرِ طویل کے اسے صرف ایک دفعہ سُن کر یاد کر لیا تھا اور اسی مجلس میں صاحبِ قصیدہ کے سامنے ہی دہرا بھی دیا تھا۔

مشہور اور صحیح قول کی بنا پر ابن عباسؓ کا انتقال ۶۸ھ میں بہتر سال کی عمر میں ہوا اور محمد بن حنفیہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ لوگوں نے دفنانے کے وقت دیکھا کہ ایک سفید چڑیا گری اور اُن کے کفن سے لپٹ گئی اور وہ بھی آپ کے ساتھ دفن ہو گئی، کہا گیا کہ یہ ان کے علم و عمل کی مثالی شکل تھی۔

(ترجمہ ابن عباسؓ، البدایہ ج ۸ ص ۲۹۵ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۴)

(جامع بیان العلم ج ۱ ص ۱۱)

سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ

ولادت: ۱۵؁ھ وفات: ۹۴؁ھ

سعید بن المسیب بن حزن بن ابی وہب اسلام کی ان چند مشہور شخصیتوں میں سے ہیں جن کے علم و فضل اور جن کی بلند شخصیت کا اسلام کے ہر دور میں اعتراف کیا گیا ہے، یہ اپنے زمانہ میں مدینہ کی سب سے بڑی علمی شخصیت کے حامل تھے، کبار صحابہ سے علم حاصل کرنے اور ان کی مجالس میں حاضر ہونے کا انھیں شرف حاصل رہا ہے۔ حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت صدیق کے نقادے اور فیصلوں کا مدینہ میں ان سے بڑا کوئی عالم نہیں تھا۔ جلیل القدر صحابی حضرت ابو ہریرہ کے داماد تھے۔

ان کی پیدائش اور وفات دونوں میں سخت اختلاف ہے، خلاصہ میں ہے کہ ان کی پیدائش ہجرت کے پندرہویں سال ہوئی اور ۹۳؁ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ واقدیؒ کہتے ہیں کہ ان کا انتقال ۹۴؁ھ ہجری میں ہوا۔ ذہبی کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ کی خلافت کے دو سال بعد ان کی پیدائش ہوئی اور اقویٰ قول کی بنیاد پر ان کی وفات ۹۴؁ھ میں ہوئی، قتادہؒ نے ان کی وفات کا سال ۸۹؁ھ بتلایا ہے، یحییٰ قطان ۹۱؁ھ بتلاتے ہیں، حمزہ کہتے ہیں کہ ان کی وفات ۹۱؁ھ یا ۹۲؁ھ میں ہوئی ہے، ابن معین اور مدائنی کہتے ہیں کہ ان کی وفات ۹۵؁ھ میں ہوئی، حاکم کہتے ہیں کہ اکثر ائمہ حدیث کا یہی خیال ہے، محمد بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی خلافت کے چار سال بعد ان کی پیدائش ہوئی، طلحہ بن محمد جو ابن المسیب کے پوتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ سعید بن المسیب کی پیدائش حضرت عمرؓ کی وفات سے دو سال قبل ہوئی تھی۔

ابن المسیب نے جب آنکھ کھولی تو مدینہ کے در و دیوار علم کی خوشبو سے عطر بیز تھے، صحابہ کی مقدس جماعت سے مدینہ کے گلی کوچے آباد تھے، کبار صحابہ جن میں اہل بدر کی بڑی تعداد تھی ان کے وجود سے فضائے مدینہ بقعۂ انوار بنی ہوئی تھی، قال اللہ و قال الرسول کے آوازہ اثر انگیز سے مدینہ کا چپہ چپہ گونج رہا تھا، اور صحابہ کا

ہر فرد علم و نور کے سانچہ میں ڈھلا ہوا نگاہِ مومن کو دعوتِ نظارہ دے رہا تھا۔

ابن مسیبؒ کو اجلہ صحابہ سے علم حاصل کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ جن میں حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت سعدؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ام سلمہؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت صہیبؓ، حضرت محمد بن مسلمہؓ وغیرہ جیسے کبار صحابہ ہیں۔

ان کے علمی مقام کا اندازہ اس سے لگایئے کہ جب حضرت ابن عمرؓ سے کوئی بات پوچھی جاتی تو آپ فرماتے سلوا سعید بن المسیب فانه قد جالس الصالحین یعنی سعید بن مسیب سے پوچھو ان کو صالحین کی ہمنشینی حاصل رہی ہے۔ ذہبی نے ان کو الامام، شیخ الاسلام، فقیہہ المدینہ، اجل التابعین وغیرہ القاب سے یاد کیا ہے خلاصہ میں ہے۔ رأس علماء التابعین و فردهم و فاضلهم و.... فقیههم یعنی سعید ابن مسیبؒ علماء تابعین کے سردار، منفرد شخصیت کے حامل، فاضل اور فقیہہ تھے۔

خود ابن مسیب کہا کرتے تھے کہ اس وقت آنحضورؐ، حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے فیصلوں کا مجھ سے زیادہ کوئی دوسرا جاننے والا نہیں ہے۔ امام زہری سے کسی نے پوچھا کہ ابن مسیب نے کس سے علم حاصل کیا تھا؟ تو آپ نے فرمایا، زید بن ثابتؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، صہیبؓ، محمد بن مسلمہؓ وغیرہ سے اور فرمایا کہ آپ کی بیشتر مسند روایتیں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہیں نیز فرمایا کہ ازواج مطہرات میں سے حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ کے پاس وہ آتے جاتے تھے۔

یحییٰ بن سعید کا بیان ہے کہ ابن مسیب کو راویۂ عمر سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ انکے احکام اور ان کے فیصلوں کا ان سے زیادہ واقف کار کوئی دوسرا نہیں تھا، قتادہ کہا کرتے تھے کہ میری نگاہ نے ابن مسیب سے بڑا عالم نہیں دیکھا، علی بن مدینی کہتے تھے کہ تابعین میں ابن مسیب سے زیادہ وسیع علم والا کوئی دوسرا نہیں تھا، قدامہ بن موسیٰ جمحی کہتے ہیں کہ ابن مسیب صحابہ کی موجودگی میں فتویٰ دیا کرتے تھے۔

ابو جعفر اپنے والد علی بن حسین سے ناقل ہیں کہ وہ کہا کرتے تھے کہ ابن مسیب آثار کے سب سے بڑے عالم تھے، یزید بن ہارون کہتے ہیں کہ ہم حج سے فارغ ہو کر مدینہ گئے اور وہاں لوگوں سے دریافت کیا کہ اس شہر میں سب سے بڑا عالم کون ہے تو لوگوں نے ابن مسیب کا نام لیا۔

ابن مسیب جس طرح علم وفقہ میں نادرۂ روزگار تھے، اسی طرح زہد وعبادت، اہلِ دنیا سے بے تعلقی،
امراء سے استغناء، بیباکی اور بے خوفی، سلاطین وقت کے سامنے اظہار حق وغیرہ صفات میں بھی اپنے زمانہ میں
یکتا اور منفرد تھے۔

اپنی حق گوئی اور بے باکی کی وجہ سے اہلِ حکومت کے ہاتھوں آپ کو مبتلائے آزمائش بھی ہونا پڑا۔
کوڑے لگائے گئے، جیل میں ڈالا گیا، فتویٰ دینے پر پابندی لگائی گئی، لیکن ان ساری مصیبتوں کے
باوجود اپنے مسلک پر وہ چٹان کی طرح جمے رہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر نے جابر بن اسود بن عوف زہری کو مدینہ کا حاکم بنایا تھا۔ اس نے سعید سے
ابن زبیرؓ کے لئے بیعت لینا چاہا، آپ نے اس سے صاف کہہ دیا کہ میں اس وقت تک بیعت نہیں
کروں گا، جب تک ان کی خلافت پر سب کا اجماع نہیں ہو جاتا۔ اس انکار پر اس عامل نے سعید کو
ساٹھ کوڑے لگائے۔ اس کی اطلاع جب ابن زبیر کو ہوئی تو انہوں نے عامل کی اس گستاخانہ حرکت پر
بڑی ڈانٹ ڈپٹ کی اور لکھا اب ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے۔

اسی طرح عبدالملک نے اپنے دونوں لڑکے ولید اور سلیمان کے لئے بیعت لینا چاہا، اس وقت
عبدالملک کی طرف سے مدینہ کا حاکم ہشام بن اسماعیل مخزومی تھا، جب بیعت کے سلسلہ میں اس نے
سعید سے گفتگو کی تو انہوں نے کہا کہ جب تک میں غور نہ کر لوں، بیعت نہیں کر سکتا، یہ تلخ جواب
اسے بُرا لگا اور اس نے ان کو ساٹھ کوڑے لگائے جانے کا حکم دیا۔ اور بال کا لنگوٹ پہنا کر شہر کے
گلی کوچوں میں گشت کرایا اور جیل میں ڈالے جانے کا حکم دیا۔

تواضع وانکساری آپ کی خاص صفت تھی، عمران بن عبداللہ مخزومی کا بیان ہے کہ سعید بن مسیب
اپنے کو مکھی سے بھی زیادہ بے قیمت سمجھتے تھے۔

نماز کا اہتمام اس قدر تھا کہ ایک دفعہ فرمایا کہ تیس سال ہو گئے ہیں، میں نے اپنے گھر میں
اذان کی آواز نہیں سنی ہے۔ اور ایک دفعہ فرمایا کہ چالیس سال ہو گئے ہیں، میں نے نماز سے واپس
آتے ہوئے لوگوں کو نہیں دیکھا ہے، عمران بن عبداللہ خود سعید سے روایت کرتے ہیں کہ ان کا بیان تھا۔

کہ چالیس سال سے ان کی نماز نہیں چھوٹی۔

یزید بن حازم کا بیان ہے کہ سعید صائم الدھر تھے اور گھر سے پانی آجاتا تھا یہی ان کا افطار ہوتا تھا تلاوت کلام پاک کا خاص اہتمام تھا، بیشتر اوقات تلاوت کلام پاک سے زبان تر رہتی جس سے اپنے لئے غذائے روح حاصل کرتے۔

کبھی آپ نے کسی سے کسی بارے میں مخاصمت نہیں کی، اپنا نقصان اٹھا کر بھی جھگڑے سے دُور رہتے، ابن عبداللہ خزاعی کہتے ہیں

کان سعید بن المسیب لا یخاصم احد او لو اراد انسان ان ینزع رداءہ رمٰی بہ
یعنی سعید بن مسیب کسی سے جھگڑتے نہیں تھے۔ اگر کوئی ان کی چادر لینا چاہتا تو اس کی طرف پھینک کر آپ اپنی راہ لیتے۔

عورتوں کے بارے میں سعید کا قول تھا کہ میں اسّی سال کا ہو گیا ہوں مگر مجھے سب سے زیادہ اندیشہ عورتوں سے رہتا ہے۔

علم و عبادت، سادگئ مزاج، حق گوئی و بے باکی، تواضع و انکسار وغیرہ صفات کے ساتھ ساتھ آپ کی قوت حفظ بھی حیرت خیز و تعجب انگیز تھی۔

عمران بن عبداللہ مخزومی کا بیان ہے۔

واللہ ما اراہ مر علی اذنہ شیئ قط الا وعاہ قلبہ۔ خدا کی قسم ان کے کان سے جو چیز بھی گذری ان کے دل نے اس کو محفوظ کر لیا۔

ابن سعد کہتے ہیں،

قالوا کان سعید بن المسیب جامعاً ثقۃ، کثیر الحدیث ثبتاً، فقیھاً مفتیا، ورعا، عالیا، رفیعا۔ یعنی لوگوں کا بیان ہے کہ ابن المسیب جامع علوم ثقہ، کثیر الحدیث، ثبت، فقیہہ، مفتی، متورع، وبلند قدر انسان تھے۔

(ملاحظہ ہو تذکرہ جلد ۱، طبقات جلد ۵)

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت سنہ ۲۲ھ وفات سنہ ۱۰۴ھ

عامر بن شرحبیل ابو عمر شعبی حضرت عمرؓ کے عہد خلافت کے چھٹے سال پیدا ہوئے۔۔
وفات کے سلسلہ میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ آپ کی وفات سنہ ۱۰۴ھ میں ہوئی اور بعض دوسروں نے سنہ ۱۰۶ھ اور سنہ ۱۱۰ھ کا ذکر کیا ہے۔ وفات کے وقت آپ کی عمر بیاسی سال لگ بھگ بتلاتے ہیں۔

امام شعبیؒ کبار تابعین اور اعیان فقہاء اور محدثین میں شمار ہوتے ہیں، مغازی کے امام تھے مغازی کا بیان اس عمدگی اور برجستگی سے کرتے تھے کہ صحابہؓ بھی جو ان مغازی میں براہ راست شریک تھے آپ کے بیان سے حیران رہ جاتے تھے۔ متعدد اجلہ صحابہ سے استفادہ و کسب فیض کیا، جن میں خصوصیت سے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ، عبداللہ بن جعفرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ کا نام لیا جاتا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے پانچ سو صحابہ کو پایا ہے۔

آپ کے تلامذہ کی تعداد بہت ہے جن میں سے بیشتر تابعی ہیں، خطیب نے اپنی تاریخ میں ان میں سے بہت سے ناموں کا ذکر کیا ہے، ذہبی نے تذکرہ میں لکھا ہے کہ یہ امام ابو حنیفہؒ کے سب سے بڑے شیخ ہیں۔

علم و فضل میں آپ کا پایہ مسلم ہے، لوگوں نے آپ کا تذکرہ بلند الفاظ میں کیا ہے۔ ابو عبداللہ بن علاء فرماتے تھے کہ علماء چار ہیں۔ مدینہ میں سعید بن المسیبؒ، کوفہ میں شعبیؒ، بصرہ میں حسن بصریؒ اور شام میں مکحولؒ شامی اور محمود بن غیلان کہا کرتے تھے کہ میں نے ابو اسامہ کو کہتے سنا کہ

حضرت عمرؓ اپنے زمانہ میں لوگوں کے سردار تھے، اس کے بعد یہ سیادت ابن عباسؓ کو حاصل ہوئی، پھر شعبیؒ اپنے زمانہ کے سردار ہوئے اور اس کے بعد سفیان ثوریؒ نے اپنے زمانہ میں سیادت کی۔

فقہ میں بھی آپ کا مقام بہت بلند تھا، ابو مخلد فرماتے ہیں مارأیت فقیہا افقہ من الشعبی۔ میں نے شعبی سے زیادہ فقیہہ کسی کو نہیں دیکھا اور آپ کے تلامذہ میں سے داؤد کا بیان ہے۔ ماجالست احداً اعلم من الشعبی میں نے شعبی سے زیادہ علم والے کی مجالست نہیں کی، مکحول شامیؒ جو خود ایک عظیم فقیہہ اور محدث تھے، فرمایا کرتے تھے۔ مالقیت مثل الشعبی۔ میں نے شعبی جیسے انسان سے ملاقات نہیں کی۔

آپ کا حافظہ بڑا قوی تھا، فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی قلم اور کاغذ استعمال نہیں کیا۔ ان کے پاس۔ ذخیرہ حدیث اتنا تھا کہ فرماتے ہیں کہ میں نے بیس سال سے کسی کو ایسی حدیث بیان کرتے ہوئے نہیں پایا جس کا مجھے اس بیان کرنے والے سے زیادہ علم نہ ہو۔ فرماتے تھے کہ مجھے جو چیز سب سے کم یاد ہے وہ شعر ہے۔ مگر اسے بھی تم سنو گے تو ایک ماہ مسلسل سُناتا رہوں گا اور کوئی شعر مکرر نہیں آئے گا۔ ایک دفعہ ابن عمرؓ نے ان کو مغازی کی روایت کرتے ہوئے سُنا تو ان کی قوتِ یادداشت اور جودتِ بیان پر تعجب کرتے ہوئے فرمایا، یہ اس طرح بیان کر رہے ہیں۔ گویا وہ خود ان جنگوں میں شریک تھے۔

(تاریخ بغداد ج ۱۲ ص۲۲۷ ترجمۃ الشعبی، تذکرہ ج اول)

قتادہ بن دعامہ رحمۃ اللہ علیہ

وفات: سنہ ۱۱۸ھ

ولادت: سنہ ۶۱ھ

مشہور تابعی، امام تفسیر اور جلیل القدر محدث ہیں، صحابہ میں سے حضرت انس بن مالک رضی اور عبداللہ بن سرجس سے شرف تلمذ حاصل ہے، سعید بن المسیب اور ابو الطفیل اور اس طبقہ کے دوسرے تابعین سے احادیث کا سماع کیا، ابو العالیہ، زرارہ بن اوفی، عطاء، مجاھد، محمد بن سیرین وغیرہ سے خصوصی استفادہ کیا۔

محدثین کی ایک بڑی جماعت کو آپ سے تلمذ کی نسبت حاصل ہے۔ جن میں مسعر بن کدام، ابن ابی عروبہ، شیبان، شعبہ، معمر، ابان بن یزید، اعمش، اوزاعی، حماد بن سلمہ وغیرہ کبار محدثین ہیں۔

تفسیر کے زبردست عالم تھے۔ عربیت، لغت، ایام عرب اور انساب کے ماہر تھے۔ پیدائشی اندھے تھے۔ علم تفسیر میں ان کا مقام بہت بلند تھا، حضرت معمر، قتادہ سے ناقل ہیں کہ وہ فرماتے تھے کہ قرآن میں ایک آیت بھی ایسی نہیں ہے جس کے بارے میں میں نے کوئی حدیث نہ سنی ہو۔ سفیان ثوری از راہ استعجاب کہا کرتے تھے کہ کیا دنیا میں قتادہ کا مثل بھی ممکن ہے!۔۔۔۔

امام زہری کا بیان ہے کہ وہ مکحول امام شام سے زیادہ عالم تھے۔ معمر کا بیان ہے کہ زہری، حماد اور قتادہ سے بڑا فقیہ میں نے نہیں دیکھا۔

آپ کا حافظہ مشہور زمانہ تھا اور قوت حفظ کے لئے مثالاً لوگ آپ کے حافظہ کو پیش کرتے تھے قوت حفظ کا یہ عالم تھا کہ پورا کا پورا صحیفہ ایک دفعہ سُنکر یاد کر لیتے تھے۔ ابن حنبل رحمۃ فرماتے ہیں کہ اہل بصرہ میں قتادہ سے بڑھ کر کوئی دوسرا حفظ والا نہیں تھا، جو سُن لیتے تھے وہ یاد ہو جاتا تھا، حضرت جابر رضی کا صحیفہ صرف ایک دفعہ اُن کے سامنے پڑھا گیا اور اس کو انہوں نے یاد کر لیا، خود قتادہ کا بیان ہے کہ میں نے جو سُنا اس کو میرے دل نے محفوظ کر لیا، بکر بن عبداللہ فرماتے تھے کہ جسے یہ پسند ہو کہ وہ سب سے زیادہ

حافظہ والے کو دیکھے تو وہ قتادہ کو دیکھ لے ۔ قتادہ فرماتے تھے کہ میں نے کسی محدث سے کبھی کسی حدیث کو دوبارہ لوٹانے کی درخواست نہیں کی ، جس چیز کو میں نے سُن لیا وہ جُوں کی توں میرے دل میں جم گئی ۔

بعض لوگوں نے ان کی حدیث سے اعراض کیا ہے ان پر دو الزام تھے ، ایک تو تدلیس کیا کرتے تھے ، دوسرے مسلکاً معتزلی تھے ، لیکن ذہبی فرماتے ہیں کہ اس اعتقاد فاسد کے باوجود ہر ایک نے اُن کی حدیث سے احتجاج کیا ہے ۔

طاعون کے مرض میں انتقال ہوا ۔ اور واسط شہر میں مدفون ہوئے ۔

(تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۱۵ ، البدایہ ج ۹ ص ۳۱۳)

ابن شہاب زہری رحمتہ اللہ علیہ

ولادت ۵۸ سنہ ھ وفات ۱۲۴ سنہ ھ

محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن شہاب ابو بکر قرشی زہری جلیل القدر تابعی مشہور امام اور امت محمدیہ میں ایک نادرروزگار شخصیت کا نام ہے، مدینۃ الرسول کے مشاہیر فقہاء میں ان کا شمار ہے مدینہ میں پیدا ہوئے اور مدینہ ہی کی نورانی فضا میں آپ کی نشوونما ہوئی۔ اور یہیں آسودۂ خاک ہیں۔ اپنی ابتدائی زندگی کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ مدینہ میں سخت قحط پڑا، یہ زمانہ عبدالملک کی خلافت کا تھا، میں چونکہ۔۔۔ کثیر العیال تھا، اس لئے مجھے شدید زحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ میں نے دمشق (جو اسلامی سلطنت کا پایۂ تخت تھا) کا سفر کیا، دمشق کی جامع مسجد میں پہونچا، دیکھا وہاں حلقہائے درس وتدریس لگے ہوئے ہیں میں بھی ایک حلقہ میں جا کر بیٹھ گیا، اتفاق سے دربار شاہی سے ایک آدمی آیا اور اس نے کہا کہ امیرالمومنین کو ایک مسئلہ درپیش ہے وہ یہ کہ سعید بن المسیب سے امہات الاولاد کے سلسلہ میں حضرت عمرؓ کی کوئی حدیث ہے، جو ان کے ذہن سے نکل گئی ہے۔ زہری فرماتے ہیں کہ میں نے اس آدمی سے کہا کہ مجھے سعید کی وہ احادیث جو وہ حضرت عمرؓ سے روایت کرتے ہیں۔ سب محفوظ ہیں، چنانچہ وہ مجھے دربار شاہی میں لے گیا، عبدالملک مجھ سے سوال کرتا رہا اور میں اس کا جواب دیتا رہا، سوال وجواب کے ختم ہو جانے پر میں نے اس سے اپنی ضرورتوں کا ذکر کیا، جس کو اس نے پورا کرنے کا حکم دیا اور میرے قرض کی ادائیگی اپنی طرف سے کر دی، اور پھر مجھ سے کہا اطلب العلم فانی اریٰ لک عینا حافظة و قلباً ذکیا، یعنی علم کو طلب کرو، میں تمہارے اندر محفوظ کر لینے والی نگاہ اور ذکاوت سے بھرپور دل کا مشاہدہ کر رہا ہوں، خلیفہ کی اس نصیحت اور تحریض کے بعد میں نے مدینہ آکر باقاعدہ تحصیل علم شروع کر دی، گویا یہیں سے ان کی باقاعدہ تعلیم کا آغاز ہوا۔

بعد میں ان کو مشائخ مدینہ میں وہ مقام حاصل ہوا جہاں تک دوسروں کی رسائی نہیں ہو سکی، زہری نے

خصوصی استفادہ عروہ اور سعید بن المسیب سے کیا، ابن کثیر کا بیان ہے کہ جالس ابن المسیب ثمان سنین تمس رکبتہ رکبتہ یعنی وہ آٹھ سال تک ابن المسیب کی مجلس میں اس طرح رہا کئے کہ ایک کا گھٹنا دوسرے کے گھٹنے سے ملا رہتا تھا۔

زہری فرماتے ہیں کہ میں نے سات سال تک ابن المسیب کی ملازمت اختیار کی تھی۔ پھر عروہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان کا بحر ناپیدا کنار اور ٹھاٹھیں مارتا ہوا دریائے علم پر پڑا۔

زہری عبید اللہ بن عبداللہ کے خادمِ خاص تھے، مشائخ مدینہ کے پاس جاتے تو ہاتھ میں تختیاں ہوا کرتی تھیں، ان سے جو حدیثیں سُنتے وہ اس پر لکھ لیتے تھے۔ طلبِ علم کا یہی ذوق تھا اور آثار رسول کے ساتھ یہی سچی لگن اور شوق تھا کہ بقول ابن کثیر صار من اعلم الناس واعلمھم فی زمانہ وقد احتاج اھل عصرہ الیہ یعنی لوگوں میں سب سے زیادہ وہ صاحبِ علم اور اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم ہو گئے اور ان کے زمانہ کے لوگ ان کے علم کے محتاج ہو گئے۔

علم کی برکت اور اخلاص فی العلم کا ثمرہ تھا کہ خلفاء اور امراء تک ان کی مجلس میں حاضر ہونے کو اپنے لئے غنیمت اور سعادت سمجھتے تھے اور اپنے شاہانہ کروفر کو ان کے لئے ختم کر کے نہایت تواضع کا معاملہ کرتے تھے، زہری کا شمار خلیفہ عبدالملک کے خواص میں تھا، اس کے بعد بنی امیہ کے تقریباً سبھی خلفاء ان کے ساتھ اختصاص کا معاملہ کرتے رہے۔

زہری کے شاگردوں میں علماء، فقہاء، محدثین اور عباد و زہاد کی بڑی تعداد ہے۔ لیکن ان میں مشہور تر امام مالک بن انسؒ کی زندہ جاوید اور قابل احترام شخصیت ہے جن سے امام زہری کا نام روشن اور پائندہ ہے، دوسرے امام ابو حنیفہؒ ہیں جو امام زہری کے لئے باعثِ صد افتخار ہیں، اندازہ لگایئے جن کے تلامذہ میں امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ جیسے ائمہ اسلام اور آسمانِ فضل و کمال کے آفتاب و ماہتاب ہوں، اس کا علمی مقام خود کتنا اونچا ہو گا۔

عمر بن عبدالعزیزؒ جیسے انسان فرمایا کرتے تھے کہ ابن شہاب کی صحبت کو لازم پکڑو، اس وقت سنتِ ماضیہ کا ان سے بڑا عالم کوئی دوسرا نہیں ہے۔ ایوب کا بیان ہے کہ میں نے زہری سے بڑا عالم نہیں دیکھا امام مالکؒ کا بیان ہے کہ زہری جب مدینہ میں حدیث بیان کرتے تھے تو ان دنوں میں کوئی دوسرا حدیث نہیں بیان کرتا تھا ابن عیینہ فرماتے ہیں کہ اہل حجاز کے محدث تین ہیں، زہری، یحییٰ بن سعید اور ابن جریج،

علم کی تدوین سب سے پہلے زہری نے کی
امام مالکؒ کا بیان ہے کہ اول من دون العام ابن شہاب
امام زہری علم و فضل کی طرح قوتِ حفظ میں بھی امتیازی شان رکھتے تھے، خود ان کا بیان ہے کہ میں نے اپنے
دل میں کوئی چیز ایسی نہیں رکھی جس کو میں بھول گیا ہوں۔ ان کے الفاظ یہ ہیں مااستودعت قلبی شیئا
قط فنسیتہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے زہری سے ایک حدیث کے اعادہ کی درخواست کی،
تو انھیں حد درجہ استعجاب ہوا، فرمانے لگے، تم دوبارہ سمجھنا چاہتے ہو؟ میں نے کسی محدث سے دوبارہ کسی حدیث
کے بارے میں سوال نہیں کیا اور نہ ایک دفعہ کے بعد دوبارہ سنانے کی درخواست کی۔
سعید بن عبدالعزیز کا بیان ہے کہ ہشام نے زہری سے گذارش کی کہ وہ ان کے لڑکوں کے لئے کچھ حدیثیں
لکھوادیں، انہوں نے چار سو حدیثیں لکھوادیں، ہشام کا بیان ہے کہ میں نے ان کے حافظہ کا امتحان لینے کے
لئے ان سے کہا کہ وہ حدیثیں تو ضائع ہوگئیں، انہوں نے فرمایا کوئی حرج نہیں ہے اور دوبارہ ان حدیثوں کو
لکھوا دیا۔ میں نے جب پہلی کتاب سے مقابلہ کر کے دیکھا تو ایک نقطہ کا بھی فرق نہیں تھا۔
علم حدیث سے زہری کی واقفیت کا یہ عالم تھا کہ فرماتے ہیں کہ میں حجاز و شام کثرت سے آتا جاتا تھا
لیکن میرے کان میں کوئی ایسی حدیث نہیں پڑی جس کو میں نہ جانتا ہوں، یحییٰ بن سعید کا بیان ہے۔ کہ جو علم
زہری کے پاس ہے وہ کسی دوسرے کے پاس نہیں ہے۔
زہری کا مقام علم کے سوا سخاوت، فیاضی، زہد و ورع اور تقویٰ میں بھی بہت بلند تھا، سخاوت
کا عالم یہ تھا کہ مانگنے والوں کیلئے قرض لیکر ان کی ضرورت پوری کرتے تھے، امام لیث کا بیان ہے کہ کان
الزھری اسخی من رأیتہ یعطی کل من جاء وسأل حتی اذا لم یبق عندہ شیٔ استسلف،
یعنی میں نے جنہیں دیکھا ہے ان میں زہری سب سے زیادہ سخی تھے، جو بھی ان کے پاس آتا اور سوال کرتا دے دیتے
اور اگر نہ ہوتا تو قرض لیتے، عمرو بن دینار کا بیان ہے کہ درہم و دینار سے زیادہ بے وقعت چیز زہری کی مجلس
میں دوسری نہیں تھی، امام زہری فرماتے تھے کہ علم کی مصیبتوں میں سے یہ ہے کہ انسان اس پر عمل چھوڑ دے۔
اور فرماتے تھے کہ من غوائل النسیان الکذب، یعنی نسیان کی مصیبتوں میں سے جھوٹ بولنا ہے۔
ان کا کہنا تھا کہ ایسے عالم کے علم پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا جو علم پر عامل نہ ہو۔

(دیکھو البدایہ والنہایہ ج ۹ صفحہ ۳۴۴ ترجمہ زہری)

امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ

ولادت : سنہ ۸۰ھ وفات : سنہ ۱۵۰ھ

آپ باتفاق امّت فقیہِ امت اور گروہِ مجتہدین کے سرخیل ہیں، امّت کا دو تہائی حصہ آپ ہی کی فقہ کا پیرو ہے ۔ اللہ نے آپ کی فقہ کو جو قبولیت بخشی وہ کسی اور فقہ کو نصیب نہیں ہو سکی اور مذہب حنفی کا جتنا شیوع ہوا اتنا کسی اور امام کا مذہب شائع نہ ہو سکا ۔ آپ کو تابعی ہونے کا بھی شرف حاصل ہے ، متعدد صحابہؓ کا زمانہ پایا ہے اور ان میں سے بعض سے آپ کو لقاء اور سماع حاصل رہا ہے ۔ رویت صحابہؓ اور خاص طور پر حضرت انسؓ کی رویت تو مسلم ہی ہے ، جس کا انکار خطیب جیسے مثالب ابو حنیفہ بیان کرنے والے سے بھی نہ ہو سکا ۔ امام ابو معشر عبد الکریم بن عبد الصمد طبری مقری شافعی نے ایک جزء تصنیف کیا ہے جس میں امام ابو حنیفہ رح کی روایات کو جو صحابہ سے ہیں ، جمع کر دیا ہے ، اس میں انہوں نے حضرت امام کا یہ بیان ذکر کیا ہے ،

قال ابو حنیفة لقیت من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ، سبعة وهم انس[1] بن مالك و عبد[2] اللہ بن حز الزبیدی و جابر[3] بن عبد اللہ و معقل[4] بن یسار و واثلة[5] بن الاسقع و عائشة بنت عجرد

یعنی امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ سے میری سات صحابی سے ملاقات ہے اور وہ یہ ہیں ، انس بن مالکؓ ، عبد اللہ بن حز زبیدی ، جابر بن عبد اللہؓ ، معقل بن یسارؓ ، واثلہ بن اسقعؓ اور عائشہ بنت عجرد (ساتواں کون تھا اس کا ذکر رہ گیا)

پھر اسی کتاب میں انہوں نے حضرت انسؓ سے تین حدیثیں ، ابن جزء سے ایک حدیث ، اور حضرت واثلہ سے دو حدیثیں اور ایک حدیث حضرت جابر اور ایک حدیث عائشہ بنت عجرد سے امام کی روایت سے ذکر کی ہیں ، تبییض الصحیفہ میں ابن حجر کا بیان ہے کہ امام ابو حنیفہ رح نے صحابہ کی ایک جماعت کو پایا ہے اس لئے کہ ان کی پیدائش ۸۰ھ کی ہے اور اس وقت صحابہ میں سے عبد اللہ بن ابی اوفیٰ کوفہ میں ،

اور حضرت انس رضؓ بصرہ میں تھے اور ان دو کے علاوہ دوسرے بلاد و امصار میں بھی صحابہ کی ایک جماعت تھی، ابن سعدؒ نے بھی طبقات میں ذکر کیا ہے، کہ امام ابوحنیفہؒ نے حضرت انسؓ کو دیکھا ہے۔ سبط ابن جوزی نے امام صاحبؒ کی صحابہ سے روایت کے بارے میں اپنی کتاب الانتصار والترجیح میں مستقل ایک باب باندھا ہے۔ ابن عبدالبرؒ نے امام صاحب کو نہ صرف یہ کہ تابعین میں شمار کیا ہے بلکہ عائشہ بنت عجردؓ اور حضرت انسؓ سے انکی روایت کو بھی اپنی سند سے ذکر کیا ہے۔ تذکرۃ الحفاظ میں تو امام ذہبی نے تصریح کی ہے کہ آپ نے حضرت انس رضؓ کو متعدد بار دیکھا ہے اور سماع بھی ثابت ہے۔ مرأۃ الجنان میں رافعی نے کہا ہے کہ امام نے چار صحابہؓ کو پایا ہے۔ کان قد ادرك اربعة من الصحابة هم انس بن مالك بالبصرة وعبد الله بن ابی اوفی بالکوفة وسهل بن سعد الساعدی بالمدينة وابو الطفيل عامر بن واثلة بمكة۔

نواب صاحب بھوپال نے بھی التاج المکلل میں اس کا اعتراف کیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے حضرت انسؓ کو دیکھا ہے اور مرأۃ الجنان کی اس عبارت کو ثبوت میں ذکر کیا ہے مگر غلطی سے اس کی نسبت امام یافعیؒ کے بجائے خطیب کی طرف کر دی ہے۔

یہ چند باتیں امام ابوحنیفہؒ کی تابعیت کے سلسلہ میں نہایت اجمال سے یہاں ذکر کر دی گئی ہیں، اس سلسلہ میں میں نے اپنی عربی کتاب الامام ابوحنیفة ومكانته فی الحديث میں تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ نیز اپنی ایک دوسری عربی کتاب اعلام الکوفة میں بھی امامؒ کی تابعیت کو ٹھوس دلائل سے ثابت کیا ہے اس کی طرف مزید معلومات کیلئے مراجعت کرنی چاہئے۔

امام ابوحنیفہ کی فقہ میں امامت و سیاوت کو سب نے تسلیم کیا ہے اور امام شافعیؒ کا یہ مقولہ زبان زد خلائق ہے۔ الناس عيال فی الفقه علی ابی حنيفة، یعنی لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہؒ کے دست نگر ہیں آپ کی ذہانت، ذکاوت وفور علم اور عقل کا دنیا نے اعتراف کیا ہے اور بڑے بڑے محدثین اور فقہاء نے بلند سے بلند کلمات و عبارات میں آپ کی مدح و ثناء کی ہے۔ خطیب نے اپنی تاریخ میں... خلف بن ایوب سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ علم اللہ رب العزت سے چل کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچا، پھر آپ سے چل کر صحابہؓ تک آیا، پھر صحابہ سے تابعین تک اور پھر تابعین سے امام ابوحنیفہؒ

اور ان کے اصحاب تک آیا، اب جس کا جی چاہے راضی رہے یا ناراض رہے۔ داؤد طائی فرماتے ہیں کہ ابو حنیفہ وہ کوکب درخشاں ہیں جس کی روشنی میں چلنے والا راستہ پاتا ہے، ان کا علم ایسا علم ہے جس کو دل قبول کرتا ہے، قاضی ابو عبد اللہ صمیری نے یحییٰ بن معین سے نقل کیا ہے کہ فقہاء چار ہیں اور پہلے نمبر پر امام ابو حنیفہ کا نام لیا پھر سفیان کا پھر مالک کا اور پھر اوزاعی کا۔

مشہور بزرگ فضیل بن عیاض فرماتے ہیں کہ ابو حنیفہ فقیہہ آدمی تھے، فقہ میں مشہور تھے، ورع آپ کا زبان زد خلائق تھا، مالدار تھے اور جود و سخا کے سمندر تھے، حرام و حلال کا اگر کوئی مسئلہ آپ پر پیش کیا جاتا تو آپ حق کی طرف رہنمائی فرماتے۔ آپ سلاطین سے گریزاں رہتے۔ امام مسعر فرماتے ہیں کہ ہم امام ابو حنیفہ کے ساتھ حدیث سیکھنے میں رہے اور وہ ہم پر غالب رہے، ہم زہد و ورع میں ایک ساتھ لگے وہ اس میں بھی ہم سے فوقیت لے گئے اور جب ہم فقہ میں لگے تو ان کا اس میں وہ مقام ہے جو تم دیکھ رہے ہو۔

بعض لوگوں نے از راہ تعصب امام کو سیئ الحفظ کہا ہے لیکن واقعہ اس کے بالکل برخلاف ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو حفظ کی نعمت بھرپور دی گئی تھی اور آپ اپنے زمانہ میں تمام یزید بن ہارون جو زبردست محدث ہیں وہ فرماتے ہیں کہ کان احفظ زمانہ یعنی امام ابو حنیفہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے حافظ ہیں، مکی بن ابراہیم فرماتے ہیں کہ کان اعلم زمانہ یعنی اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم تھے، حماد بن سلیمان فرماتے ہیں کہ کان واللہ حسن الفهم جید الحفظ یعنی واللہ امام ابو حنیفہ بہترین سمجھ والے اور عمدہ حافظہ والے تھے، قاضی ابو عبد اللہ صمیری نے حسن بن صالح کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ امام ابو حنیفہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری عمل کے حافظ تھے، اسرائیل محدث سے نقل کیا گیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کو وہ ساری حدیثیں یاد تھیں، جس میں کوئی فقہی مسئلہ یا نکتہ ہوتا، خود امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ میں حماد کی مجلس میں بیٹھتا تھا تو اس مجلس میں جتنے مسائل بیان ہوا کرتے تھے سب کو یاد کر لیتا تھا، اسی طرح دوسرے اور تیسرے مدت کے سارے مسائل میں یاد کر لیتا میرا حافظہ کبھی خطا نہیں کرتا تھا اور ہمارے دوسرے ساتھی غلطیاں کیا کرتے تھے، چنانچہ استاذ کا حکم ہوا کہ میرے سامنے سوائے ابو حنیفہ کے اور کوئی نہ بیٹھے۔ عقود الجمان میں ہے کہ امام ابو حنیفہ کو فقہ کی ساری حدیثوں کے حافظ تھے۔ (دیکھو امام کے تفصیلی حالات کے لئے اخبار ابی حنیفہ و صاحبیہ

عقود الجمان، تاریخ بغداد ج ۱۳، مناقب موفق و مناقب کردری، مرأۃ الجنان، جامع بیان العلم وغیرہ)

سُفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ

وفات: سنہ ۱۶۱ھ

ولادت سنہ ۹۷ھ

سفیان بن سعید بن مسروق ثوری مشہور محدث جلیل القدر فقیہہ اور امت کے ان اعیان علم اور اصحاب کمال میں سے ہیں، جو اسلامی تاریخ کے لئے باعث فخر ہیں، ذہبی نے ان کو سید الحفاظ اور... شیخ الاسلام کے القاب سے یاد کیا ہے۔ انہوں نے جن شیوخ حدیث سے کسب علم کیا ہے وہ زیادہ تر وہ ہیں، جنہیں تابعیت کا شرف حاصل ہے، اور ان سے روایت کرنے والوں میں عبداللہ بن مبارک، یحییٰ بن سعید قطان، ابن وہب، وکیع، محمد بن حسن شیبانی، ابو نعیم وغیرہ ہیں۔

محدثین کی ایک جماعت نے ان کو امیر المومنین فی الحدیث کا لقب دیا ہے، ابن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ میں نے گیارہ سو محدثین سے حدیث لکھی ہے، مگر میں نے امام ثوری سے افضل کسی کو نہیں پایا، مشہور محدث امام شعبہ جن کا حافظہ عالم آشکارا تھا اور جو اپنے زمانہ میں حدیث کے سب سے بڑے حافظ شمار ہوتے تھے، ان کا بیان ہے کہ سفیان مجھ سے بھی زیادہ حافظ ہیں، ارقا، کا بیان ہے کہ سفیان نے اپنے جیسا آدمی نہیں دیکھا ہے، امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ میرے قلب میں سفیان سے زیادہ مقدم کوئی دوسرا نہیں رہا، امام اوزاعی کا بیان ہے کہ امت میں اس وقت صرف سفیان ہی کی ذات گرامی ہے جس سے سب راضی ہیں۔ ابن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے بڑا عالم نہیں دیکھا۔

آپ علمی تبحر کے ساتھ حد درجہ خاشع، متواضع، حق گو اور سلاطین سے کنارہ کش رہنے والے آدمی تھے، ابو جعفر نے لاکھ اِن کو عہدۂ قضاء کی لالچ دلا کر ان کو اپنے دامِ فریب میں لینا چاہا، مگر ہر دفعہ سفیان نے اس کو ٹھکرا دیا، سلاطین اور امراء کو کبھی خاطر میں نہیں لاتے تھے، ان سے عام لوگوں کی طرح بات کرتے تھے، اور ان کی غلطیوں پر بلا تکلف ان کو ٹوکتے تھے،

اس سے کوئی چیز ان کے لئے مانع نہیں تھی، نہ حکومت کا دبدبہ نہ خلیفہ کا جاہ و جلال ایک دفعہ ابو جعفر کو معلوم ہوا کہ سفیان ثوری ان پر مسلسل تنقید کر رہے ہیں تو اس نے ان کے گرفتار کرنے اور قتل کرنے پر انعام مقرر کیا لیکن اللہ نے ان کو اس کے شر سے محفوظ رکھا، خلیفہ وقت کے ساتھ اسی اَن بَن کی وجہ سے آپ نے اخیر میں عمر کا بیشتر حصہ کوفہ سے باہر گزارا، کبھی مکہ میں رہے تو کبھی مدینہ میں اور کبھی بصرہ میں، بصرہ ہی میں انتقال بھی ہوا،

حفظ حدیث کی قوت آپ کو مبدأ فیاض کی طرف سے بے پایاں ارزانی ہوئی تھی، یحییٰ قطان کا بیان ہے کہ میں نے ان سے زیادہ کسی کو حافظہ والا نہیں پایا، عبد الرزاق صاحب مصنف خود بیان کرتے ہیں کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ میرے دل نے جس چیز کو ایک دفعہ محفوظ کر لیا پھر اس نے خیانت نہیں کی، یعنی وہ دل میں ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گئی۔

تیس ہزار حدیث کے حافظ تھے، آپ کا کہنا تھا کہ حدیث سے زیادہ نفع بخش کوئی چیز نہیں ہے نیز فرماتے تھے کہ عالم دین کا طبیب ہوتا ہے اور روپیہ دین کا مرض ہے، جب طبیب مرض کو خود اپنی طرف کھینچ کر لاوے گا تو دوسروں کا علاج کیا کرے گا۔

حافظ عماد الدین حنبلی صاحب شذرات فرماتے ہیں کہ سفیان کے مذہب کے پیرو چوتھی صدی ہجری تک پائے جاتے تھے، پھر ان کا وجود باقی نہیں رہا۔

(تذکرہ ج ۱ ص ۱۹۰، تاریخ بغداد، شذرات)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ

ولادت : ۹۳ سنہ ھ   وفات : ۱۷۹ سنہ ھ

مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر مشہور امام عظیم المرتبت فقیہہ جلیل القدر محدث، اسلام کی ایک قابل فخر شخصیت ہیں، دنیائے اسلام کا ایک بڑا حصہ ان کی فقہ کا پیرو ہے اور ہر مسلمان کا قلب ان کی عظمت و احترام سے بھرا ہے، مدینہ میں اُن کے زمانہ میں ان سے زیادہ محترم اور اُن سے بڑی شخصیت کوئی دوسری نہیں تھی۔

ان کی زندگی کا ایک عجیب واقعہ یہ بھی ہے کہ بقول بعض یہ اپنی والدہ کے پیٹ میں تین سال رہے، لوگوں نے لکھا ہے کہ ان کے مشائخ کی تعداد نو، دس سو تک پہونچتی ہے، مشہور اساتذہ میں نافع مولیٰ ابن عمر، امام زہری، ربیعۃ الرائی، عروہ، سعید بن مسیب، قاسم، ابو سلمہ، حمید، سالم، نیز خود ان کے والد انس اور چچا سہیل ہیں۔

خصوصیت سے امام مالکؒ نے نافع اور زہری سے بہت زیادہ استفادہ کیا تھا: مؤطا میں اُن سے روایت بہت زیادہ ہے، خاص طور پر نافع کی روایت بہت کثرت سے ہے، عام طور پر محدثین کا اتفاق ہے کہ سب سے عمدہ سند وہ ہے جس میں مالک عن نافع عن ابن عمر ہو اس سند کو محدثین سلسلۃ الذہب کہتے ہیں۔

امام مالکؒ جس ماحول میں پیدا ہوئے، وہ علم و ادب کا ماحول تھا خود ان کے والد اور چچا محدثین مدینہ میں سے تھے، مدینہ کی گلی گلی قال اللہ و قال الرسول کے آوازے سے گونج رہی تھی، علماء، صلحاء، فقہاء اور تابعین کی ایک بڑی جماعت سے شہر مدینہ آباد تھا۔

امام مالکؒ نے بچپن ہی سے مشائخ کی صحبت میں آنا جانا شروع کر دیا تھا، خود ان کا بیان ہے کہ میں جب نافع کی مجلس میں جایا کرتا تھا اس وقت میں بالکل نو عمر تھا۔

ابتدائے عمر کا قصہ سناتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے ایک روز اپنی والدہ سے کہا کہ میں مشائخ کی خدمت میں حاضر ہو کر حدیث لکھنا چاہتا ہوں، والدہ نے فرمایا کہ پہلے ربیعۃ الرائی کے پاس حاضری دو، اور علم سے پہلے علم کے آداب سیکھو۔

مدینہ علم کی وہ بستی تھی، جہاں سے سفر کر کے کسی دوسری جگہ تحصیل علم کے لئے جانے کی ضرورت نہیں تھی، دُور دُور سے لوگ خود مدینہ کا سفر کرتے تھے، امام مالکؒ نے اسی وجہ سے کہیں کا طلب علم کی خاطر سفر نہیں کیا، ان کا تمام تر سرمایہ علم حجازی اور مدنی ہے۔

آپ کی علمی جلالت، امامت فی العلم اور عظمت شان پر سب کا اتفاق ہے۔ فرماتے تھے کہ جب تک ستر مشائخ نے میرے علم کی گواہی نہ دے دی، میں نے فتویٰ نہیں دیا، سترہ سال کی عمر میں آپ نے فتویٰ دینا شروع کر دیا تھا اور اسی عمر میں آپ نے حلقہ درس بھی قائم کیا تھوڑی ہی مدت میں آپ کے علم کا شہرہ اقطار عالم میں پھیل گیا اور طلبائے حدیث کی سب سے بڑی تمنا آپ سے روایت کرنا ہو گئی جس نے حدثنا عن مالک اپنی زبان سے نکالا اس کی قسمت پر لوگوں نے رشک کیا اور اس کی طرف نگاہیں اُٹھیں، اس کی مجلس میں طلبائے حدیث کا جمگھٹا لگ گیا، یہ مقبولیت محدثین و فقہا میں بہت کم لوگوں کو حاصل ہوئی۔

آپ کے تلامذہ کی ایک بڑی تعداد ہے اور خاص بات یہ ہے کہ خود آپ کے اساتذہ نے آپ سے حدیث کی روایت کی، چنانچہ آپ کے مشائخ میں سے مندرجہ ذیل لوگوں نے آپ سے تلمذ حاصل کیا،

امام زہری، یحییٰ بن سعید، ایوب سختیانی، موسیٰ بن عقبہ، ہشام بن عروہ، نافع قاری، محمد بن عجلان، ابو النضر سالم، محمد بن ابی ذئب، ابن جریج، امام اعمش۔

ذہبی کا بیان ہے کہ حدث عنه امم لا یکادون یحصون یعنی آپ سے اتنے لوگوں نے حدیث روایت کی جس کا شمار دشوار ہے، خطیب نے ان کے تلامذہ کے بارے میں ایک مستقل کتاب تالیف کی تھی جس میں تقریباً ایک ہزار تلامذہ کا ذکر ہے۔ قاضی عیاض کے بیان کے مطابق تیرہ سو تلامذہ کا اس کتاب میں ذکر ہے (وہ یہ وہ تلامذہ ہیں جو مشہور ہیں غیر مشہور کا اس میں ذکر نہیں ہے ذکرنا المشاہیر وترکنا الکثیر قالہ الخطیب) یعنی ہم نے بہتوں سے صرف نظر کر کے صرف مشاہیر کا ذکر کیا ہے۔

زرقانی کا بیان ہے کہ امام مالکؒ نے اپنے ہاتھ سے ایک لاکھ حدیث لکھی ہیں، تہذیب کہا

کرتے تھے کہ سفیان ثوریؒ حدیث کے امام ہیں، اور امام اوزاعیؒ امام سنت ہیں، اور امام مالکؒ حدیث اور سنت دونوں میں امامت کا درجہ رکھتے ہیں، ابن صلاح نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ یہاں سنت بدعت کے مقابل ہے اور یہ ہوتا ہے کہ ایک شخص حدیث کا تو عالم ہوتا ہے مگر سنت کا عالم نہیں ہوتا۔

امام مالکؒ کو جو قبولیت عامہ حاصل تھی، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ان کے دروازہ پر حدیث سننے والوں کا ازدحام رہا کرتا تھا، کثرتِ ازدحام کی وجہ سے امام مالکؒ کو دربان مقرر کرنے پڑے تھے امام مالکؒ کا دستور تھا کہ جب حدیث بیان کرنا ہوتا تو غسل کرتے، کپڑا بدلتے، عمامہ باندھتے خوشبو کا استعمال کرتے، پھر نہایت وقار اور سکون واطمینان کے ساتھ حدیث بیان کرتے۔ بادشاہ تک ان کے حلقہ حدیث میں شامل ہوتے، لیکن اقلیم حدیث کا یہ تاجدار ان کے ساتھ بھی کوئی امتیازی برتاؤ نہ کرتا، درس حدیث میں لوگ نہایت سنجیدہ ہوتے اور حدیث نبویؐ کا جلال ایسا چھایا ہوتا کہ کسی کو حرکت کرنیکی بھی مجال نہ ہوتی، خود امام مالکؒ درس حدیث میں ہوتے تو نہایت درجہ پُرسکون ہوتے۔ آپ کے جسم میں بالکل حرکت نہیں ہوتی یہ سب حدیث کے احترام میں تھا، حدیث کا احترام آپ میں کس قدر تھا اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ ایک دفعہ درسِ حدیث میں آپ مشغول تھے کہ ایک بچھو آپ کی قمیص میں کسی طرح گھس گیا اور اس نے ڈنک مارنا شروع کیا لیکن آپ نے اپنے جسم میں کسی طرح کی کوئی حرکت پیدا نہونے دی اور نہ درس ہی موقوف کیا، بعد میں لوگوں نے دیکھا کہ بچھو نے آپ کے جسم میں سولہ یا سترہ ڈنک مارے تھے،

ساری زندگی آپ نے مدینہ میں بسر کر دی، اس ارضِ مقدس کا احترام یہ تھا کہ آپ نے مدینہ میں رہ کر جوتا بھی استعمال نہیں کیا اور نہ کبھی شہر مدینہ میں آپ نے قضائے حاجت کی، جب ضرورت ہوتی، مدینہ سے باہر تشریف لیجاتے اور اس وجہ سے کہ آپ کو بار بار حاجت پیش نہ آئے، آپ نے اپنی خوراک بہت کم بنا رکھی تھی، تین تین روز پر قضائے حاجت کی ضرورت پیش آتی لیکن اس کے باوجود بھی آپ فرماتے کہ مجھے اس کثرت سے قضائے حاجت پر شرم معلوم ہوتی ہے۔

ظاہری وباطنی خوبیوں کے ساتھ ساتھ اللہ نے آپ کو حافظہ کی قوت بھی بے پناہ دی تھی خود ان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت زہری تشریف لائے، میں ربیعۃ الرای کے ساتھ ان کی

مجلس میں حاضر ہوا، انہوں نے ہم سے چالیس حدیثیں بیان کیں، پھر ہم دوسرے روز جب ان کی مجلس میں حاضر ہوئے تو انہوں نے پوچھا کہ تمہیں کل کی حدیثوں میں سے کتنی زبانی یاد ہیں؟ ربیعۃ الرای نے کہا کہ آپ کی مجلس میں وہ شخص ہے جو آپ کی کل والی ساری حدیثوں کو زبانی بیان کردے گا، امام زہری نے پوچھا وہ کون ہے، تو ربیعۃ نے مجھے پیش کردیا، اور میں نے ان ساری حدیثوں کو ان کے سامنے پڑھ دیا، امام زہری کو تعجب ہوا اور فرمایا کہ میرا خیال تھا کہ میرے سوا ان حدیثوں کو زبانی یاد رکھنے والا کوئی دوسرا نہیں ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اب لوگوں کا حافظہ خراب ہوگیا ہے جس وقت میں محدثین کی خدمت میں حاضری دیا کرتا تھا، تو ایک ہی روز میں ابن المسیب، عروہ، قاسم، ابو سلمہ، حمید سالم وغیرہم ایک جماعت کے پاس چکر لگاتا اور ہر ایک سے پچاس سے لیکر سو حدیث تک سنتا اور جب واپس ہوتا تو مجھے سب کی حدیثیں اس طرح محفوظ ہوتیں کہ ایک شیخ کی حدیث دوسرے سے ذرا بھی مختلط نہ ہونے پاتی۔

(تنبیہ) بعض لوگوں نے امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں بھی کہا ہے کہ انہوں نے امام مالکؒ سے تلمذ اختیار کیا ہے، مگر یہ صحیح نہیں ہے، چنانچہ یافعی نے مرآۃ الجنان میں تصریح کی ہے کہ یہ بات صحیح نہیں ہے، بلکہ اس کے برخلاف متعدد اہل سیر نے امام مالکؒ کو امام ابو حنیفہؒ کا شاگرد بتلایا ہے اور یہی اقرب الی الصواب ہے، میں نے اپنی عربی کتاب "مکانۃ الامام ابی حنیفہ فی علم الحدیث" میں اس پر بحث کی ہے اس کو دیکھا جائے، نیز مولانا عبد الرشید نعمانی نے اپنی بلنظیر کتاب "ابن ماجہ اور علم حدیث" میں اس پر فیصلہ کن بحث کی ہے اس کا مطالعہ کیا جائے۔

امام مالکؒ کے مزید حالات معلوم کرنے کے لئے تاریخ وسیر کی کتابوں میں امام مالکؒ کا ترجمہ پڑھنا چاہئے۔

(اس ترجمہ کا بیشتر حصہ مقدمہ اوجز المسالک سے ماخوذ ہے)

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: سنہ ۱۱۸ھ وفات: سنہ ۱۸۱ھ

عبداللہ بن مبارک بن واضح اسلام کی اُن چند ممتاز اور منتخب شخصیتوں میں سے ہیں جن پر ملتِ اسلامیہ ہمیشہ فخر کرتی رہی ہے، گوناگوں کمالات کے جامع اور متضاد صفات کے حامل تھے، آپ کی عدالت وثقاہت پر امت کا اتفاق ہے، زہد وورع، تقویٰ وطہارت، علم وفضل، جہاد اور جذبۂ جان سپاری میں آپ کے معاصرین میں آپ کا ثانی مشکل ہی سے کوئی دوسرا تھا۔

خراسان کے رہنے والے تھے، باپ کی طرف سے ترکی اور ماں کی طرف سے خوارزمی تھے، امام ذہبی نے ان کو الامام، الحافظ، العلامہ، شیخ الاسلام، فخر المجاہدین، قدوۃ الزاہدین جیسے گراں قدر القاب سے یاد کیا ہے۔ جو ان کے مرتبہ بلند کے غماز ہیں، آپ کثرتِ تالیف وتصنیف اور علم کی تحصیل کی خاطر ممالک بعیدہ کا سفر کرنے میں مشہور تھے، عمر کا سارا حصہ تحصیل علم کے لئے سفر کرنے میں، یا حج میں، یا جہاد میں، یا پھر تجارت میں گزرا۔

وقت کے مشاہیر اہل علم سے استفادہ کیا، فرماتے ہیں کہ میں نے چار ہزار علماء سے علم حاصل کیا ہے اور ایک ہزار سے روایت کرتا ہوں، آپ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے مشہور تلامذہ میں سے ہیں، فرماتے تھے کہ اگر اللہ نے امام ابوحنیفہؒ اور سفیان ثوریؒ سے میری مدد نہ کی ہوتی تو میرا حال بھی عام لوگوں جیسا ہوتا۔

فقہ، غزوات، زہد ورقائق میں آپ کی تصانیف ہیں، کتاب الزہد والرقائق ابھی حال ہی میں حضرت العلام مولانا حبیب الرحمن اعظمی کی تعلیق وتحقیق اور ان کے بیش قیمت مقدمہ کے ساتھ مالیگاؤں سے طبع ہو چکی ہے۔

ذہبی فرماتے ہیں کہ اقالیم عالم کے اتنے لوگوں سے آپ نے استفادہ کیا جس کا شمار نہیں ، بچپن ہی سے آپ سفر کے عادی تھے ، سفر کے ساتھ ساتھ آپ ان سفروں میں اپنا تجارتی کاروبار بھی ، کرتے تھے ، کثرتِ سفر اور تجارت میں آپ کا اس قدر شہرہ تھا کہ آپ کا لقب ہی التاجر السفار پڑ گیا تھا۔

ابن مہدی فرماتے ہیں کہ ائمہ چار ہی ہیں ، مالک ، ثوری ، حماد بن زید اور ابن مبارک ، ابن مہدی نے ان کو سفیان ثوری پر فضیلت دی ہے اور ان کا کہنا تھا کہ ابن مبارک اپنی نظیر آپ ہیں ۔۔۔۔ احمد بن حنبلؒ کا بیان ہے کہ ابن مبارکؒ کے زمانہ میں ان سے بڑا کوئی عالم نہیں تھا ، اسحاق فزاری ان کو امام المسلمین کہا کرتے تھے ، یحییٰ بن آدم کہا کرتے تھے کہ جب میں دقیق مسائل کی تلاش میں ہوتا ہوں اور ابن مبارکؒ کی کتاب میں نہیں پاتا تو میں مایوس ہو جاتا ہوں ، عباس بن مصعب فرماتے ہیں کہ ۔۔ ابن مبارکؒ حدیث ، فقہ ، ایام الناس اور شجاعت و سخاوت کے جامع تھے ، ابن عیاش کا کہنا تھا کہ روئے زمین پر ابن مبارکؒ کا کوئی مثل نہیں ہے ، حسن بن عیسیٰ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ان کے تلامذہ نے ان کی صفات کا شمار کیا تو ان سب کا اتفاق ہوا کہ وہ مندرجہ ذیل صفات کے جامع تھے ۔

"علم ، فقہ ، ادب ، نحو ، لغت ، زہد ، شجاعت ، شعر ، فصاحت ، قیام لیل ، عبادت ، حج جہاد ، شہسواری ، ترک لایعنی ، انصاف اور قلت خلاف مع الاصحاب ، ان سب صفات کے ساتھ اللہ نے قوت حافظہ بھی خوب دیا تھا ، ان کے والد نے جو ان کی کثرتِ کتب بینی سے عاجز تھے ایک روز غصّہ میں کہا کہ اگر میں تمہاری کتابوں کو پا جاؤں تو جلا دوں ، آپ نے فرمایا کہ اس سے میرا کوئی نقصان نہیں ہوگا ، وہ میرے سینہ محفوظ ہیں ، ان کے پاس بیس ہزار کے قریب حدیثیں تھیں اور یہ سب ان کو زبانی یاد تھیں ۔

آپ کے فضائل و مناقب ، محاسن و محامد حد شمار سے زیادہ ہیں ۔ یہ چند کلمات ان کا احاطہ نہیں کر سکتے ۔

(دیکھو تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صـ ۲۵۳)

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: سنہ ۱۱۳ھ وفات: سنہ ۱۸۲ھ

یعقوب بن ابراہیم ابو یوسف قاضی، مشہور فقیہہ، حافظ اور اعیان امت میں سے ہیں۔ فقہ حنفی کے دوسرے بڑے امام ہیں، اللہ نے دین و دنیا دونوں سے خوب نوازا تھا اور ان کو جو شان و شوکت حاصل رہی ہے، ان کے زمانہ میں کسی اور کو حاصل نہیں تھی، امراء اور خلفاء آپ کے قدردان، اہل علم آپ کے فضل و کمال کے معترف فقہاء آپ کی فقاہت، دقت نظر اور قوت استنباط و استخراج کے مقر تھے،

شروع کا زمانہ بڑی عسرت کا تھا، والد کا بچپن ہی میں انتقال ہو گیا تھا، یتیمی کی زندگی تھی، ماں کسی طرح ان کی کفالت کر رہی تھی، جب کچھ بڑے ہوئے تو ماں کی ہدایت پر کسی دھوبی کے یہاں کام کرنے لگے، مگر علم کی محبت، بخت و طالع کی سعادت اور فیروزمندی اور ارجمندی جو ازل سے نوشتۂ تقدیر تھی، اس نے آپ کو امام ابو حنیفہؒ کے حلقۂ درس میں پہونچا دیا، امام ابو حنیفہؒ کی پہلی ہی نظر نے اس جوہر خالص کو پہچان لیا اور آپ کی توجہ اور صحبت، شفقت اور محبت، حاجات اور ضروریات میں دستگیری اور معاونت نے آپ کو کندن بنا دیا اور حلقہ امام میں آپ کا مقام بہت جلد سب سے اونچا ہو گیا اور فقہ حنفی کے یہ عضد ایمن تسلیم کر لئے گئے، بلا کے ذہین، غضب کے فطین، زبردست قوت حافظہ کے مالک تھے، دقت نظر اور سیلان طبع میں آپ اپنے معاصرین سے بہت آگے تھے،

آپ کے مشہور اساتذہ میں امام ابو حنیفہؒ کے علاوہ ابو اسحاق شیبانی، سلیمان تیمی، یحییٰ بن سعید قطان، امام اعمش، ہشام بن عروہ، عبید اللہ بن عمر ابن ابی لیلیٰ قاضی، عطاء بن ابی سائب لیث بن سعد اور ایوب بن عتبہ وغیرہم ہیں۔

تلامذہ میں امام احمد بن حنبل، امام محمد بن حسن شیبانی، علی بن جعد، احمد بن معین، عمرو بن عمر اور ان کے علاوہ ایک بڑی جماعت ہے۔

فقہ کے آپ مسلم الثبوت امام ہیں، حدیث میں بھی آپ کا مقام بہت رفیع تھا اگرچہ فقہ آپ پر غالب تھی اور لوگوں نے آپ کو فقیہہ ابو یوسف سے جانا لیکن یہ سمجھ لینا کہ حدیث میں آپ کو کوئی خاص درک نہیں تھا جیسا کہ بعض ابنائے زمانہ کا خیال ہے یہ ان کے حالات سے بے خبری کا نتیجہ ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ نے جب تحصیل حدیث کا ارادہ کیا تو بغداد میں سب سے پہلے امام ابو یوسف کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے حدیث سُنی اور محدثین کا اس زمانہ میں دستور یہ تھا کہ وہ ابتداء اس محدث سے کرتے جو اس شہر کا سب سے بڑا محدث ہوتا، اندازہ لگائیے کہ بغداد جیسے مرکزِ علم وعلماء میں امام احمد امام ابو یوسف کی خدمت میں سب کو چھوڑ کر حاضر ہو رہے ہیں اور علم حدیث کا پہلا سبق لے رہے ہیں۔ امام ابو یوسفؒ کا مقام حدیث میں کتنا بلند ہوگا، امام احمد کا بیان ہے کہ میں نے امام ابو یوسفؒ سے تین المباری کے برابر علم حاصل کیا ہے۔

امام ابو یوسفؒ میں جو شان جامعیت تھی بہت کم لوگوں میں یہ جامعیت پائی جاتی ہے، وہ ہر فن میں امامت کا درجہ رکھتے تھے بعض لوگوں نے تو کہا ہے کہ فقہ ان کا اقل درجہ کا علم تھا، تفسیر، حدیث اور مغازی و سیر وغیرہ میں ان کا مقام فقہ سے بھی زیادہ بلند تھا۔

آپ کے علم وفضل کا اعتراف آپ کے سبھی معاصرین نے کیا ہے، ہلال بن امیہ کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کے تلامذہ میں ان کا مثل کوئی دوسرا نہیں تھا، محمد بن جعفر کا بیان ہے کہ ابو یوسف اپنے زمانہ کے مشہور اور سب سے عظیم فقیہہ تھے۔ ان کے زمانہ میں ان سے بڑھ کر کوئی دوسرا نہیں تھا، علم حکومت، ریاست، جاہ ورتبہ میں ان کو انتہائی مقام حاصل تھا، سب سے پہلے انہوں نے ہی علم اصول فقہ کی بنیاد ڈالی اور تصنیف وتالیف اور درس وتدریس کے ذریعہ مسائل ابو حنیفہ کو پھیلایا اور ان کی فقہ کو اطراف عالم میں عام کر دیا۔

امام مزنی سے پوچھا گیا کہ امام ابو یوسفؒ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ کہا کہ وہ فقہاء کے سردار تھے اور امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں عرض کیا گیا وہ حدیث کا سب سے زیادہ اتباع کرنیوالے تھے اور امام محمدؒ کے بارے میں فرمایا کہ وہ مسائل کی تفریع میں سب سے مقدم ہیں اور امام زفرؒ کے

بارے میں کہا کہ تلامذہ امام ابو حنیفہ رحمیں ان کا مقام قیاس میں سب سے بلند ہے۔

ابن خلکان نے امام ابو یوسفؒ کا ترجمہ مفصل لکھا ہے اور ان کو فقیہہ، عالم اور حافظ حدیث سے یاد کیا ہے

ذہبی نے ان کا تذکرہ الامام، العلامہ، فقیہہ العراقین جیسے بلند الفاظ سے شروع کیا ہے۔ ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں کان فقیہا عالماً حافظاً یعنی امام ابو یوسف حافظ حدیث، فقیہہ اور عالم تھے، خود...

امام ابو حنیفہؒ نے ان کو ایک دفعہ اعلم من علی الارض سے یاد کیا تھا۔

ان کے علاوہ دیگر بڑے بڑے فقہاء، اکابر محدثین، ائمہ علم نے ان کی جلالتِ شان کا اعتراف کیا ہے راکجے عادل وثقہ ہونے کی گواہی دی ہے۔ امام احمد ان کو صدوق فرماتے تھے، ابن معین فرماتے ہیں کہ ہم نے ان سے حدیث لکھی ہے اور میں ان سے روایت بھی کرتا ہوں، وہ اس سے بہت بلند تھے۔ کہ ان کی زبان سے جھوٹ نکلے، ابن مدینی کا ارشاد ہے کان افقھھم واحفظھم واعرافھم بمعانی الحدیث یعنی اہل فقہ میں یہ سب سے زیادہ فقیہہ، سب سے زیادہ حافظ حدیث، اور سب سے زیادہ معانی حدیث کے واقف کار تھے۔ کثیر بن ولید کا بیان ہے کہ جب یہ کلام کرتے تھے تو سننے والا ان کی قوتِ کلام سے حیران رہ جاتا، باریک اور دقیق مسائل میں تیر کی طرح گزرتے۔

یہ پہلے شخص ہیں جن کو ہارون رشید کے زمانہ میں چیف جسٹس بنایا گیا ان سے پہلے یہ عہدہ کسی کو نہیں دیا گیا تھا، ان کے جاہ وجلال اور شوکت وشان کا یہ عالم تھا کہ ہارون جیسے بارعب اور عظیم بادشاہ سے نہایت بے تکلف ہو کر گفتگو کرتے، اس کی غلط بات پر ٹوکتے۔۔ قضاۃ کا تقرر ان کے فرمان سے ہوتا، احکام شاہی بھی بلا ان کے مشورہ کے صادر نہیں ہوتے، ہارون بھی ان کا بہت احترام کرتا تھا اور اپنے سے جُدا کرنا پسند نہیں کرتا تھا، کھانا بھی شاہی دستر خوان پر ہارون کے ساتھ کھاتے تھے۔

علم وفضل وکمال کے ساتھ ساتھ آپ کا حافظہ بھی بے نظیر تھا، چالیس تا ساٹھ حدیثیں محض ایک دفعہ سنکر یاد کر لیتے تھے، حلبی نے حسن بن زیاد سے نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ ہمیں امام ابو یوسف کے ساتھ حج کرنے کا اتفاق ہوا، اتفاق سے امام ابو یوسف راستہ میں بیمار ہو گئے۔ ابن عیینہ بھی اس سال سفر کر رہے تھے، انہیں اطلاع ہوئی تو وہ ان کی عیادت کو تشریف لائے، ہم سے امام ابو یوسف نے کہا کہ ان سے حدیثیں سن لو، ابن عیینہ نے اس مجلس میں ہم سے چالیس حدیثیں بیان کیں۔ جب وہ

چلے گئے تو ان چالیس حدیثوں کو امام ابو یوسف نے سند اور متن کے ساتھ ہم کو سُنا دیا۔ ہم ان کے حافظ سے متحیر رہ گئے، حالانکہ وہ بیماری سے نڈھال تھے۔

ابن جریر کا بیان ہے کہ امام ابو یوسفؒ محدثین کی مجلس میں حاضر ہوتے اور پچاس ساٹھ حدیثیں سنتے اور پھر اُن کو ہمارے سامنے زبانی دہرا دیتے۔

باوجود اس کے کہ آپ سلاطین اور خلفاء کے مقرب رہے، شاہی دربار میں اونچا مقام رکھتے تھے، دنیا داروں سے اختلاط بھی تھا، دنیا نے اپنے دروازے اُن پر کھول دیئے تھے، ناز و نعم کے سامان حاصل تھے، لیکن آپ کی زندگی بڑی پاکیزہ اور بڑی سُتھری رہی، کبھی بھی خلفاء اور سلاطین کی رعایت میں دینی امور میں مداہنت کا رویّہ آپ نے اختیار نہیں کیا، حق بات کو بر سرِ عام کہا اور ہر غیر شرعی امر پر بلا خوفِ دار و گیر آپ نے نکیر کی۔

مرض وفات میں آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ "اے اللہ تو جانتا ہے کہ میں کبھی کسی حرام وطی کا مرتکب نہیں ہوا اور کبھی دانستہ میں نے ایک درہم بھی حرام نہیں کھایا، آپ پر خوف و خشیت کا۔۔ خصوصًا آخری وقت میں بڑا غلبہ تھا، جب انتقال کا زمانہ قریب ہوا تو آپ نے چار لاکھ درہم کی وصیت کی کہ اس کو مکہ، مدینہ، کوفہ، بغداد کے فقراء پر تقسیم کر دیا جائے۔

(امام ابو یوسف کے تذکرہ کے لئے دیکھو، تذکرہ، مناقب کردری دوم
ذیل المذیل، تاریخ خطیب، الجواہر المضیئہ، وفیات الاعیان
شذرات الذہب، واخبار ابی حنیفہ وصاحبیہ وغیرہ)

ہشیم بن بشیر رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: سنہ ۱۰۴ھ وفات: سنہ ۱۸۳ھ

ہشیم بن بشیر ابو معاویہ سلمی بڑے محدث ہیں، ان کو زہری، یونس بن عبید، ایوب سختیانی وغیرہ سے تلمذ حاصل ہے، مالک بن انس، سفیان ثوری، شعبہ، عبداللہ ابن مبارکؒ وغیرہ اجلۂ محدثین نے ان سے حدیث کا سماع کیا ہے، بیس ہزار حدیث کے آپ حافظ تھے۔ حدیث سننے کا شوق بچپن ہی سے تھا، ان کے والد کو پڑھانے کا ذوق نہیں تھا، وہ ان کو طلب علم سے منع کیا کرتے تھے، ان کی خواہش تھی کہ یہ کوئی دوسرا شغلہ اختیار کریں، اتفاق سے یہ ایک دفعہ بیمار ہوئے، ابو شیبہ کی مجلس درس میں یہ حاضر ہوا کرتے تھے، ابو شیبہ فقیہہ اور قاضی وقت بھی تھے، دو ایک روز جب انہوں نے ان کو غیر حاضر پایا تو نہ آنے کا سبب معلوم کیا، ان کو بتلایا گیا کہ وہ بیمار ہو گئے ہیں، اسی وقت قاضی ابو شیبہ نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ چلو ہم ان کی عیادت کریں، چنانچہ انہوں نے اصحاب علم کی ایک جماعت کے ساتھ اپنے اس محبوب شاگرد کی عیادت کی، اس وقت کسی کے دروازہ پر قاضی وقت کا پہونچنا بڑی بات تھی۔ ان کے والد یہ منظر دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور اپنے لڑکے سے کہا کہ میں تم کو حدیث سیکھنے سے منع کرتا تھا، اب تم اس علم کو حاصل کرو، مجھے کہاں توقع تھی کہ قاضی شہر بھی ہمارے دروازہ پر آئیگا۔

ہشیم نہایت باکمال اور رعب وجلال والے محدث تھے، حماد بن زید کہتے ہیں کہ میں نے ہشیم سے زیادہ کسی اور کو بلند طبیعت نہیں پایا، علمی جلال وہیبت کا عالم یہ تھا کہ عبداللہ صاحبزادۂ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کو یہ کہتے سنا کہ میں ہشیم کی مجلس میں چار پانچ سال رہا لیکن ان کی ہیبت کا عالم یہ تھا کہ میں دو مرتبہ کے علاوہ ان سے کچھ سوال نہیں کر سکا۔

لوگوں نے کہا ہے کہ ان کا مقام قوتِ حفظ میں سفیان ثوری سے اونچا ہے، وہ بہت سی ایسی

حدیث پر قابو یافتہ تھے، جو سفیان کی دسترس سے باہر تھی، یحییٰ بن ایوب فرماتے ہیں کہ ہشیم کا بیان ہے کہ جس محدث سے میں پچاس یا اس کے قریب حدیثیں سُنتا تھا اس کو لکھتا نہیں تھا، خطیب کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اسی وقت یاد ہو جاتی تھیں۔

حاتم مؤدب فرماتے ہیں ایک دفعہ ہشیم سے سوال کیا گیا کہ آپ ایک مجلس میں کتنی حدیث یاد کر لیتے ہیں تو فرمایا کہ میں سو حدیثیں ایک مجلس میں یاد کر لیا کرتا تھا اور اگر مجھ سے اس کے ایک ماہ بعد پوچھا جاتا تو میں اس کو سُنا سکتا تھا، اور عجیب تر بات یہ ہے کہ آپ کے حافظہ پر مرورِ زمانہ کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا، ابن مبارکؒ فرماتے ہیں۔ من غیر الدھر حفظہ لم یغیر حفظ ھشیم، زمانہ سب کے حفظ میں تغیر کر دیتا ہے لیکن ہشیم کے حفظ میں وہ کچھ تغیر نہیں کر سکا، بعض لوگوں کا بیان ہے کہ پورے عراق میں حدیثوں کا اتنا اچھا حافظ دوسرا نہیں تھا، اخیر عمر میں عبادت و ریاضت کی طرف توجہ زیادہ تھی۔ لکھا ہے کہ دس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی۔

(تاریخ بغداد ترجمہ ہشیم ج ۱۴ ص۸۵)

یحییٰ بن یمان ابوزکریا عجلی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت : سنہ ۱۱۷ھ   وفات : سنہ ۱۸۸ھ

ابوزکریا عجلی علم حدیث کی بلند پایہ شخصیت، امامت فی الحدیث کے وصف سے متصف اور علم رجال میں فرد فرید تھے، وطن آپ کا کوفہ تھا، وقت کے مشاہیر محدثین سے علمی استفادہ کیا اور علم حدیث اور معرفتِ رجال میں کمال حاصل کیا، چند مشہور اساتذہ کے نام یہ ہیں، سفیان ثوری، معمر بن راشد، اشعث، امام ابوحنیفہؒ۔

آپ سے مشاہیر امت نے حدیث کا سماع کیا، جن میں مندرجہ ذیل ائمۂ حدیث ہیں۔ محمد بن علیٰ یحییٰ بن معین، حسن بن عرفہ وغیرہ

زہد فی الدنیا میں آپ یکتائے روزگار تھے، عسرت کی زندگی کو فراخی اور وسعت کی زندگی پر ترجیح دیتے تھے، بدن پر اتنا بھی کپڑا نہیں ہوتا تھا کہ پورا بدن ڈھک جاتا، بس کسی طرح شرم گاہ کی ستر پوشی کر لیا کرتے تھے، ایک ایک کپڑے پر کئی کئی پیوند ہوتے۔ بشر بن حارث فرماتے ہیں کہ میں یحییٰ بن یمان کے پاس بیٹھا تھا۔ انہیں میری پوشاک پر حیرت ہوتی تھی اور میں ان کے کپڑے دیکھ کر استعجاب میں تھا۔ فرمانے لگے کہ میرے پاس ایک دفعہ ایک جراب (موزہ کی ایک قسم ہے) تھا اس سے میں نے کسی طرح اپنی شرمگاہ چھپا رکھی تھی، دوسرا کپڑا نہیں تھا۔ جس سے میں بدن کے بقیہ حصّہ کو چھپاتا۔

آپ کی یہی راہبانہ زندگی تھی جس کی وجہ سے آپ کو لوگ کوفہ کا راہب کہتے تھے۔

قوت حافظہ آپ کی نہایت اونچے درجہ کی تھی، عالم یہ تھا کہ ایک ایک مجلس میں پانچ پانچ سو۔۔۔ حدیثیں یاد کر لیا کرتے تھے۔ وکیع بن جراح کہتے ہیں کہ ہمارے ساتھیوں میں یحییٰ بن یمان سے بڑھ کر، کوئی دوسرا حافظِ حدیث نہیں تھا، وہ ایک مجلس میں پانچ سو حدیثیں یاد کر لیا کرتے تھے۔

اخیر عمر میں آپ کے حافظہ میں تغیر پیدا ہو گیا تھا اور پھر قوتِ حافظہ میں ان کی قائم مقامی اُن کے لڑکے نے کی۔

ابو ہاشم رفاعی فرماتے ہیں کہ یحییٰ بن یمان کہا کرتے تھے کہ مجھے امام ثوری کی صرف تفسیر کے سلسلہ کی چار ہزار حدیثیں یاد ہیں، فرماتے تھے کہ میں امام ثوری کی مجلس میں کبھی لکھنے کی تختیاں لیکر نہیں گیا اور کبھی کبھی ستر ستر حدیث سُن کر واپس ہوتا اور بعد میں اپنے ساتھیوں کو ان کا زبانی املا کرا دیتا۔

ابن حنبل فرماتے ہیں کہ میں نے وکیع کو کہتے سُنا کہ یحییٰ بن یمان سفیان کی مجلس میں حدیث کو سنا کرتے اور ہر حدیث پر ایک گانٹھ دے دیا کرتے تھے اور گھر آ کر ایک ایک گانٹھ کھولتے جاتے اور حدیث لکھتے جاتے، محمد بن عمار کہتے ہیں کہ یحییٰ بن یمان ہم سے زبانی حدیثیں بیان کرتے تھے۔ انکی ثقاہت اور عدالت کی گواہی محدثین کی ایک جماعت نے دی ہے۔

(تاریخ بغداد ج ۱۴ صفحہ ۱۲۰)

وکیع بن جراح بن ملیح رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: ۱۲۸یا۱۲۹ سنہ ھ　　وفات: ۱۹۷ سنہ ھ

زبردست محدث، علل حدیث کے ماہر اور بلند پایہ حافظ حدیث تھے، تقویٰ اور پرہیز گاری زہد وعبادت میں نہایت بلند مقام رکھتے تھے، امراء اور سلاطین سے ہمیشہ نافر رہے، ہارون رشید نے کئی بار چاہا کہ ان کو قاضی بنائیں، مگر آپ نے انکار کر دیا، حفص بن غیاث مشہور محدث تھے، ان سے آپ کا ربط اور دوستانہ تھا مگر جب امام وکیع کو معلوم ہوا کہ انہوں نے عہدۂ قضا قبول کر لیا ہے تو آپ نے ان سے ترک تعلق کر لیا۔

بچپن ہی سے آپ علم کے شوق اور قوتِ حفظ میں مشہور تھے، امام اعمش نے ایک دفعہ آپکی گفتگو سُنکر پیشینگوئی کی تھی کہ یہ لڑکا اپنے زمانہ کا عظیم شخص ہوگا۔

امام سفیان ثوری آپ سے ابتداء ہی سے محبت کرتے تھے اور کبھی کبھی ہنسی مذاق بھی کرتے تھے اور لوگوں سے کہتے کہ یہ لڑکا آگے چلکر بڑا مقام حاصل کرے گا، امام ثوری سے آپنے کافی استفادہ کیا تھا اور ان کے طبقہ کے علماء اور مشائخ سے حدیث کا سماع کیا تھا، امام ثوری کے انتقال کے بعد آپ ہی ان کے جانشین ہوئے۔

آپ اپنا کام خود ہی کرتے۔ آپ کو یہ گوارا نہیں تھا کہ آپ کے وضو کا پانی بھی کوئی دوسرا لائے یا آپ کے ہاتھ پر دوسرا پانی ڈالے۔ خود پانی لاتے اور وضو کرتے۔

آپ کا شمار کوفہ کے مالداروں میں تھا لیکن آپ نے کبھی اپنے کو درہم و دینار کا غلام نہیں بنایا، جب والدہ کا انتقال ہوا تو وراثت میں آپ کو ایک لاکھ درہم ملا، اس کو آپ نے اپنے وکیل کے سپرد کر دیا اور اس سے آپ نے کبھی نہیں پوچھا کہ کہاں خرچ ہوتا ہے، اور

کیسے خرچ ہوتا ہے، جو حساب وہ پیش کرتا اس پر صاد کر دیتے۔

امام احمد فرماتے ہیں کہ میں نے وکیع جیسا آدمی نہیں دیکھا، یحییٰ بن اکثم قاضی کا بیان ہے کہ وہ سفر و حضر میں ہمیشہ روزہ رکھتے تھے۔ ابن معین فرماتے ہیں کہ میں نے وکیع سے افضل کسی کو نہیں دیکھا۔

آپ کی زاہدانہ اور عابدانہ، متورعانہ اور متقیانہ زندگی کا اثر گھر کے ہر فرد پر تھا یہاں تک کہ باندیاں بھی نماز و روزہ کی پابند تھیں اور تہجد گذار تھیں۔

ابن شماش فرمایا کرتے تھے کہ میری تمنا تھی کہ مجھے ابن مبارک کی عقل اور ان کا ورع ابن فضیل کا زہد اور رقتِ قلب اور وکیع کی عبادت اور ان کا حافظہ ملجاتا۔ امام احمد بن حنبل فرماتے تھے کہ میں نے ان سے زیادہ علم اور حدیث والا کسی کو نہیں پایا۔

آپ کا حافظہ فطرتاً قوی تھا، بچپن ہی سے آپ کی قوتِ حفظ کا شہرہ تھا، کبھی کبھی امام ثوری ان کو راستہ سے پکڑ لیتے اور کہتے کہ کیا تم نے کچھ سنا ہے، تو وہ حدثنا فلاں کہہ کر جو کچھ سنا ہوتا زبانی سنا دیتے اور ثوری ان کے حافظہ پر تعجب کرتے اور مسکرا پڑتے۔ خود فرماتے تھے۔ کہ مجھے پندرہ سال ہو رہا ہے میں نے کبھی کتاب اٹھا کر نہیں دیکھی صرف ایک روز اس پوری مدت میں ایک صحیفہ دیکھنے کی ضرورت پڑی تھی اس میں بھی میں نے صرف ایک حدیث دیکھ کر صحیفہ رکھ دیا۔

بصرہ میں ایک دفعہ آپ نے پندرہ سو حدیثیں اپنے حفظ سے سنادی تھیں، جس میں سے صرف چار میں حافظ نے غلطی کی تھی۔

لوگوں کا بیان ہے کہ آپ کے ہاتھ میں کبھی کتاب نہیں دیکھی گئی۔

فرماتے تھے کہ میں سفیان ثوری کی مجلس میں جو کچھ سنا کرتا تھا اسی وقت اس کو یاد کر لیتا تھا۔ پھر گھر آکر اس کو اپنے حافظہ سے ضبط کر لیا کرتا تھا۔

مفتاح السعادۃ میں ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے چالیس سال سے دنیا کے لئے اپنا قدم نہیں اٹھایا اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ جس حدیث کو سنا اس کو بھلا دیا ہو۔ لوگوں نے کہا کہ یہ کس طرح؟ تو آپ نے فرمایا کہ میں جو حدیث سنا کرتا تھا اس پر ایک دفعہ عمل

کر لیتا تھا۔اس طرح وہ حدیث محفوظ ہو جاتی تھی۔

بڑے بڑے محدثین کہا کرتے تھے کہ جب تک یہ جوان رہے گا ہم کامیاب نہ ہو سکیں گے۔

ابن حنبل فرماتے ہیں کہ میں نے وکیع کو کسی حدیث میں شک کرنیوالا نہیں پایا۔صرف ایک روز ایک حدیث میں ان کو شک ہو گیا تھا۔

امام وکیع امام ابو حنیفہ کے ممتاز شاگردوں میں ہیں اور ان سے بہت سا علم حاصل کیا تھا، اور انہیں کے قول پر فتویٰ دیتے تھے۔

لوگوں نے لکھا ہے کہ آپ ابدال میں سے تھے۔

(تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۶۶ ومفتاح السعادۃ ج ۱ ص ۱۱۶)

یحییٰ بن سعید قطان

ولادت : سنہ ۱۲۰ھ   وفات : سنہ ۱۹۸ھ

یحییٰ بن سعید بن فروخ ابو سعید قطان امام الجرح والتعدیل تھے، معرفت رجال میں خصوصی ملکہ رکھتے تھے، بڑے بڑے محدثین اور اعیان امت نے آپ سے شرف تلمذ حاصل کیا ہے چند شاگردوں کے نام حسب ذیل ہیں۔ عبدالرحمٰن بن مہدی، عفان بن مسلم، علی بن المدینی، امام احمد بن حنبل یحییٰ بن معین، آپ کے شاگردوں کی فہرست طویل ہے۔ لوگوں نے لکھا ہے۔ خلق لا یحصون، بے شمار مخلوق نے آپ سے استفادہ کیا ہے۔

جن جلیل القدر اساتذہ کے سامنے آپ نے زانوئے تلمذ تہ کیا ان میں سے بعض کا نام یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔ سفیان ثوری، امام ابو حنیفہ، امام اعمش، ابن جریج، شعبہ اور امام مالک وغیرہ، یحییٰ، شعبہ اور امام ابو حنیفہ کے خصوصی شاگرد ہیں، فرماتے ہیں کہ میں شعبہ کی صحبت میں بیس ۲۰ سال رہا اور فرمایا کہ میں جھوٹ نہیں کہتا میں نے امام ابو حنیفہ سے بہتر رائے والا کسی کو نہیں پایا، میں نے ان کے اکثر اقوال کو اختیار کیا ہے۔

ابن معین کا بیان ہے کہ ابن سعید قطان فقہ میں کوفہ والوں کی طرف مائل تھے اور فقہائے کوفہ میں سے امام ابو حنیفہ کا قول آپ کو زیادہ پسند تھا۔

حدیث میں آپ کا مقام بہت بلند تھا اور جرح و تعدیل کے مشہور و مسلّم امام تھے۔ عبدالرحمٰن بن مہدی کہا کرتے تھے کہ سعید بن قطان اور سفیان بن حبیب سے زیادہ بہتر میں حدیث کا طلب کرنے والا دوسرے کو نہیں پایا۔ علی بن مدینی کہتے ہیں کہ میں نے ان سے بڑھ کر رجال کا عالم نہیں دیکھا، انہیں کا بیان ہے کہ عبدالرحمٰن بن مہدی اور یحییٰ بن سعید جب کسی حدیث کے ترک پر متفق

ہو جاتے ہیں، تو میں بھی اس حدیث کو ترک کر دیتا ہوں۔

امام ابن حنبل کا بیان ہے کہ میری نگاہ نے ابن سعید جیسا آدمی نہیں دیکھا، ایک دفعہ فرمایا کہ حدیث کے باب میں انکا ثانی مجھے نظر نہیں آیا۔

حافظہ آپ کا نہایت قوی تھا، عالم یہ تھا کہ آپ ہمیشہ احادیث کو زبانی املاد کراتے تھے۔ امام احمد بن حنبل سے پوچھا گیا کہ کان یحییٰ یحدث کم من حفظہ کیا یحییٰ آپ لوگوں سے زبانی حدیث بیان کرتے تھے؟ تو فرمایا مارأینا لہ کتابا قط کان یحدثنا من حفظ، ہم نے کبھی ان کے پاس کتاب نہیں دیکھی وہ ہم سے زبانی حدیثیں بیان کرتے تھے لیکن اس کے باوجود امام احمد ہی کا بیان ہے کہ ہم نے ان سے کم خطا والا کسی اور کو نہیں پایا، صرف چند حدیثوں میں انکی غلطیاں ہوئی ہیں۔

صاحب عبادت و نوافل تھے۔ یحییٰ بن معین کا بیان ہے کہ بیس سال تک یحییٰ بن سعید ہر رات روزانہ ختم کلام پاک کیا کرتے تھے۔ اور فرمایا کہ چالیس سال ایسا گزرا کہ زوال کے وقت وہ مسجد میں ہوتے۔ ابن خزیمہ بندار سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں بیس سال سے زیادہ عرصہ تک یحییٰ کے پاس گیا ہوں اور میرا خیال ہے کہ انہوں نے کبھی اس مدت میں کوئی گناہ نہیں کیا، انکی ہنسی صرف تبسم ہوا کرتی تھی۔ ہنسی مذاق سے دور تھے، ان کی تعدیل اور توثیق پر سب کا اتفاق ہے۔

(دیکھو تاریخ خطیب ج ۱۴ ص ۱۳۵)

امام شافعیؒ

ولادت: سنہ ۱۵۰ھ   وفات: سنہ ۲۰۴ھ

محمد نام ابو عبداللہ کنیت منشأ مکی، اور نسبا قریشی ہیں، شافعی نسبت شافع بن سائب کی طرف سے جو ان کے اجداد میں پانچویں پشت پر ہیں، والد کا نام ادریس تھا۔

مشہور امام فقہ، سرتاج علماء، زینت ارباب اجتہاد جلیل القدر عالم حدیث اور اصحاب مذاہب متبوعہ میں تیسرے بڑے امام ہیں، صاحب محامد و مناقب، نخرامت اور نادرہ روزگار شخصیت کے مالک تھے، ذہانت و فطانت کے چاند تارے بچپن ہی سے جبین مبارک پر چمک رہے تھے،

عسقلان یا غزہ شہر میں پیدا ہوئے۔ اور مکہ میں پلے بڑھے، مکہ، مدینہ اور بغداد وغیرہ میں تحصیل علم کی، مالک بن انس، ابراہیم بن سعد، سفیان بن عیینہ، محمد بن حسن شیبانی تلمیذ امام اعظم، مسلم بن خالد زنجی، ابراہیم بن ابی یحییٰ، محمد بن علی بن شافع، عبداللہ بن حارث مخزومی کے علاوہ خلق کثیر سے حدیث سنی۔

سلیمان بن داؤد، احمد بن حنبل، ابراہیم بن خالد، ابن علی کرابیسی، حسن بن محمد، ابو یحییٰ بن سعید وغیرہ کو امام شافعی سے شرف تلمذ حاصل ہے۔

جس سال امام ابو حنیفہ کی وفات ہوئی اسی سال ان کی پیدائش ہوئی گویا علم و کمال ایک نیر اعظم کے غروب ہونے کے بعد دوسرا آفتاب کمال طلوع ہوا جس نے اپنی شعاعوں سے عالم پر روشنی کا سایہ کیا،

ابھی دو سال کے تھے کہ ان کو ان کی والدہ مکہ لائیں، والد کا انتقال عالم طفولیت ہی میں ہو گیا، ماں کی نگرانی اور انکے ظل عاطفت میں پلتے بڑھتے رہے یتیم اور نادار تھے لیکن طلب علم کا شوق بلائے طلب کو مہمیز دیتا رہا، اسی شوق طلب نے کمال کے اس درجہ تک پہونچا دیا، جہاں تک معاصر علماء بہت کم پہونچے۔

ابتداءً شعر وادب اور علم انساب کا شوق غالب رہا، پھر ماں کی ہدایت پر علم حدیث اور فقہ کی طرف متوجہ ہوئے، اور امام زمانہ اور فقیہہ یگانہ بنے۔

بچپن کے شوقوں میں سے ایک شوق تیر اندازی کا بھی تھا اور اس میں وہ کمال بہم پہونچایا کہ خود فرماتے ہیں کہ اُصیبُ فی عشرۃ عشرۃ، دس تیر چلاتا تھا اور دسوں نشانہ پر لگتا تھا، علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہ کو خواب میں دیکھا، انہوں نے آپ سے مصافحہ کیا اور اپنی خاتم مبارک آپ کی انگلی میں پہنادی معبرین نے تعبیر بتلائی کہ مصافحہ کرنا یہ عذاب جہنم سے امن کی نشانی ہے اور انگلی میں انگوٹھی پہنانے سے اس طرف اشارہ ہے کہ تمہارا نام مشرق و مغرب میں گونجے گا۔

حدیث میں ہے کہ ہر صدی کے ختم پر ایک مجدد پیدا ہوتا ہے۔ جس سے دین الٰہی کی تجدید ہوتی ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ دوسری صدی کے مجدد آپ ہیں، امام احمد سے نقل ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ پہلی صدی کے مجدد حضرت عمر بن عبدالعزیز ہیں اور دوسری صدی میں تجدید کا کام امام شافعی سے لیا گیا، امام احمد فرماتے تھے کہ میرے پاس جو علم ہے اس کا غالب حصہ امام شافعی سے حاصل کردہ ہے، نیز فرماتے ہیں کہ تیس سال سے میرا دستور ہے کہ سونے سے پہلے امام شافعی کے لئے دعاء و استغفار کرتا ہوں۔

سلیمان بن اشعث کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل کو امام شافعی کے فقہ کی طرف زیادہ راغب پایا۔ احمد بن حنبل کی عقیدت و محبت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر مجھے کسی مسئلہ میں کوئی حدیث نہیں ملتی ہے تو میں امام شافعی کے قول کی پیروی اس یقین کے ساتھ کرتا ہوں کہ وہ یقیناً کسی نہ کسی حدیث سے ماخوذ ہوگا، ابوایوب، حمید بن احمد بصری کا بیان ہے کہ امام احمد کے سامنے ایک مسئلہ پیش ہوا، ایک آدمی نے کہا کہ اس بارے میں کوئی حدیث وارد نہیں ہے، امام احمد نے فرمایا کہ اگر کوئی حدیث نہیں ہے تو امام شافعی کا قول تو ہے۔ ان کی دلیل اس مسئلہ میں سب سے پختہ ہوگی۔

ابو ثور کا بیان ہے کہ اگر کسی کا یہ دعوٰی ہے کہ اس نے علم، فصاحت، معرفت، ثبات، علمی براعت میں امام شافعی کا مثیل دیکھا ہے تو وہ جھوٹا ہے، ابن ابی جارود کا بیان ہے کہ ہر شخص کی کتابیں، اس کے محفوظ علم سے زیادہ ہوتی ہیں، مگر امام شافعی کی زبان پر علم ان کی کتابوں سے زیادہ تھا

گزر چکا ہے کہ امام شافعی نے بہت سے مشائخ علم سے استفادہ کیا، لیکن دو شخص سے انہوں نے بہت زیادہ علم حاصل کیا ایک تو امام محمد بن حسن شیبانی تلمیذ امام اعظم ہیں اور دوسرے حضرت

مالک رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

حضرت امام مالک کی خدمت میں آپ اٹھارہ مہینے تک رہے اور مؤطا کا درس لیا اور حدیث و فقہ میں مہارت پیدا کی۔ اور امام محمد کے بارے میں آپ خود فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے دو اونٹ کے بوجھ کے برابر علم حاصل کیا۔ فرماتے تھے کہ میں نے حلال و حرام اور ناسخ و منسوخ کا جاننے والا امام محمد سے زیادہ کسی کو نہیں پایا اور فرماتے تھے کہ میں نے صرف امام محمد کو ایسا پایا کہ جب وہ گفتگو کرتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قرآن اسی زبان میں نازل ہوا ہے، کبھی فرماتے کہ میں اپنا استاذ صرف امام محمد اور امام مالک کو سمجھتا ہوں، نیز فرماتے کہ اگر فقہاء میں انصاف ہوتا تو وہ جانتے کہ انہوں نے امام محمد کا مثل نہیں دیکھا ہے۔ کبھی امام محمد کے ساتھ اپنی عقیدت و محبت اور شیفتگی کا اظہار اس طرح کرتے کہ مجھے امام محمد جیسے کسی دوسرے فقیہہ کی صحبت نصیب نہ ہوسکی۔

امام محمد علیہ الرحمہ بھی ان کے ساتھ غایت درجہ شفقت و محبت کا معاملہ کرتے تھے، جب کبھی کتابوں کی ضرورت ہوتی تو وہ انھیں بھیج دیتے، بلکہ امام شافعی کو علم کی راہ میں لگانے میں امام محمد کو بڑا دخل ہے ابو عبید کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں امام محمد کی مجلس میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ امام شافعی بیٹھے ہوئے ہیں، امام محمد نے ان سے کچھ پوچھا، امام شافعی نے نہایت عمدگی سے سوال کا جواب دیا امام محمد ان کے جواب سے خوش ہوئے امام شافعی نے امام محمد کے سامنے بعض اپنی تحریریں پیش کیں، امام محمد نے اس بھی پسند فرمایا، پھر انعام کے طور پر ان کو ایک سو درہم دیئے اور کہا کہ اگر تم کو علم کی خواہش ہے تو پابندی سے مجلس میں حاضر ہوا کرو چنانچہ امام شافعی کو میں نے کہتے سنا کہ میں نے امام محمد سے ایک اونٹ بوجھ برابر علم حاصل کیا اور اگر امام محمد نہ ہوتے تو میرے لئے یہ علوم نہ کھلتے جو آج کھل رہے ہیں۔

امام محمد اور امام مالک کی صحبت نے امام شافعی کو کندن بنا دیا اور ان بزرگوں کی رہنمائی میں علم و کمال کی منزلیں بڑی خوبی اور عمدگی سے طے کرلیں۔ فقہ اور حدیث میں وہ بصیرت پیدا کرلی کہ کم لوگ آپ کے مثیل ہوسکے۔ ابھی عنفوانِ شباب ہی تھا کہ فتویٰ اور تصنیف و تالیف کی صلاحیت پیدا ہوگئی تھی، پندرہ سال کے تھے کہ فتویٰ دینے لگے تھے۔

جوانی ہی میں عبد الرحمٰن مہدی کی درخواست پر اصول فقہ میں "الرسالۃ" نامی نادر و نایاب کتاب تحریر فرمائی کہ آج تک اس فن میں اس فکر کی کوئی دوسری کتاب نہیں لکھی جاسکی، جس نے ایک نظر

بھی اس کتاب کو دیکھا ہے اسے معلوم ہے کہ امام شافعی کا مقام علم وفقہ، ذکاوت وبصیرت علمی پختگی، دقت نظر میں کتنا بلند ہے۔

ذکاوت وذہانت اور علم کی وسعت کے ساتھ ساتھ اللہ نے قوتِ حفظ کی بھی ارزانی فرمائی تھی، دس سال کی عمر میں مؤطا حفظ کر چکے تھے، سات سال کی عمر میں قرآن کے حافظ ہو گئے تھے۔ جب امام مالک کی خدمت میں حاضر ہوئے تو مؤطا کو زبانی سنایا۔ اس پر امام مالک کو سخت حیرت ہوئی اور یہی چیز امام مالک سے امام شافعی کی قربت کا سبب بن گئی اور امام نے اپنے اس ہونہار شاگرد پر خاص توجہ فرمائی۔ امام مالک نے امام شافعی کو پہلی ہی مجلس میں چند نصیحتیں کی تھیں، ان میں ایک نصیحت یہ بھی تھی کہ تم، تقویٰ کو اپنا شعار بنالو، ساتھ ہی یہ بھی پیشین گوئی فرمادی کہ ایک زمانہ آئے گا کہ تم بڑے آدمی ہو گے نیز فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل میں ایک نور ودیعت کیا ہے، معصیت سے اس کو ضائع مت کرنا۔

امام شافعی کا آخری زمانہ مصر میں گزرا، وہیں آپ کی وفات ہوئی اور سرزمین مصر نے اس لعل درخشاں کو اپنے اندر ہمیشہ کے لئے چھپالیا۔

(طبقات الشافعیہ ج ا ص۔ ، تاریخ بغداد ج ۲
اخبار ابی حنیفہ، تہذیب الاسماء واللغات، البدایہ
والنہایہ ج ۱۰ ص)

سلیمان بن داؤد طیالسی

ولادت: ۱۳۳ھ　　　　وفات: ۲۰۴ھ

فارسی الاصل تھے، بصرہ میں سکونت اختیار کی تھی اور شعبہ اور سفیان ثوری جیسے لوگوں سے استفادہ کیا تھا۔ شاگردوں میں امام احمد بن حنبل، علی بن مدینی، محمد بن سعد کاتب واقدی جیسے مشاہیر اور اعیان فضل وکمال ہیں، خطیب کہتے ہیں کان حافظا مکثرا ثقۃ ثبتا کہ حافظ حدیث، کثیر الاحادیث ثقہ اور ثبت تھے، امام وکیع کا بیان ہے کہ طویل احادیث کا یاد رکھنے والا ابو داؤد جیسا کوئی باقی نہیں رہا۔

عمرو بن فلاس کہتے ہیں، میں نے ابو داؤد سے بڑھ کر حافظ والا انسان نہیں دیکھا، ان کی قوت حفظ کا عالم یہ تھا کہ ایک ایک مجلس میں تیس تیس ہزار حدیث اپنے حفظ سے املاء کراتے تھے، خطیب کا بیان ہے کہ وہ اپنے حفظ سے حدیث بیان کرتے تھے۔

خود ابو داؤد کا بیان ہے کہ صرف عثمان بری کی دس ہزار حدیثیں میرے سینہ میں محفوظ ہیں اور ابھی تک میں نے ان میں سے ایک حرف بھی کسی سے بیان نہیں کیا ہے۔ عمر بن شبہ فرماتے ہیں کتبوا عن ابی داؤد باصبہان اربعین الف حدیث ولیس معہ کتاب، اصبہان میں لوگوں نے ابو داؤد سے چالیس ہزار حدیثیں لکھیں اور ان کے پاس کوئی کتاب نہیں تھی۔

عبدالرحمٰن بن مہدی، ابن مدینی، ابو المنذر نعمان بن عبدالسلام جیسے اکابر نے ان کی تعریف کی ہے اور ان کی صداقت وثقاہت کی گواہی دی ہے۔

(دیکھو تاریخ بغداد ج ۵ ص ۲۴ ترجمۃ الطیالسی)

یزید بن ہارون

ولادت: سنہ ۱۱۸ھ وفات:- سنہ ۲۰۶ھ

زبردست محدث، عابد وزاہد، بارعب اور صاحب جاہ ومرتبت عالم تھے، خلیفہ وقت بھی آپکا رعب اور ہیبت محسوس کرتا تھا، ایکدفعہ مامون نے کہا کہ اگر مجھے یزید بن ہارون کا اندیشہ نہوتا تو میں قرآن کے مخلوق ہونیکا اظہار کردیتا، درباریوں نے تعجب سے کہا کہ آپ یزید سے ڈرتے ہیں آخر وہ ہیں کون؟ مامون نے جواب دیا کہ میرا اندیشہ اسوجہ سے نہیں ہے کہ ان کے پاس کوئی طاقت وقوت ہے بلکہ مجھے اندیشہ یہ ہے کہ اگر میں نے اسکا اظہار کیا تو وہ میری مخالفت ضرور کریں گے اور اس سے فتنہ پیدا ہوگا اور میں فتنہ سے ڈرتا ہوں۔

اکابر محدثین نے آپ سے استفادہ کیا ہے، آپ کے شاگردوں میں امام احمد، علی بن مدینی، ابوبکر بن ابی شیبہ جیسی یادگار زمانہ شخصیتیں ہیں۔

علم حدیث میں آپکا پایہ بہت بلند تھا، ابن مدینی کا بیان ہے کہ میں نے ان سے بڑھ کر کوئی حافظ حدیث نہیں دیکھا، خود انکا بیان ہے کہ میں پچیس ہزار احادیث اسناد کے ساتھ یاد رکھتا ہوں، ایکدفعہ فرمایا کہ مجھے صرف شامیوں کی بیس ہزار حدیثیں ایسی محفوظ ہیں کہ اس میں کبھی سوال کی ضرورت نہیں پڑا کرتی، قوت حفظ کا عالم یہ تھا کہ فرماتے ہیں کہ میں نے "حدیث فتون" کو صرف ایک بار سنکر محفوظ کرلیا تھا، حدیث فتون، مشہور طویل حدیث ہے۔ فرماتے تھے کہ مجھے بیس ہزار حدیث اس طرح یاد ہے کہ ایک حرف بھی کوئی چاہے تو اس میں داخل کرکے دیکھ لے، مطلب یہ تھا کہ وہ ایک حرف بھی مجھ سے مخفی نہیں رہے گا۔

اللہ نے فطانت، ذکاوت، ذہانت، فقاہت اور علم میں کمال کے ساتھ ساتھ عبادت وریاضت میں بھی انکا مقام بہت بلند کیا تھا، نمازوں کی رکعتیں بہت طویل ہوا کرتی تھیں چالیس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی تھی۔ یہ امام ابوحنیفہ کے مشہور شاگردوں میں ہیں، اور انکے علم وفضل کے حد درجہ معترف تھے، یہ ساری معلومات تاریخ بغداد سے ماخوذ ہیں اور امام ابوحنیفہ کے شاگرد ہونیکی تصریح تبییض الصحیفہ اور عقود الجمان میں ہے

(تاریخ بغداد جلد ۱۴)

ابو عبد اللہ واقدی

ولادت: سنہ ۱۳۰ھ   وفات: سنہ ۲۰۷ھ

محمد بن عمر بن واقد ابو عبد اللہ واقدی، مشہور زمانہ لوگوں میں سے ہیں۔ تاریخ و حدیث کا کمالب علم ان کے نام سے واقف ہے، مغازی، سیر، طبقات، رجال، حوادث و واقعات کا ان سے زیادہ ... جاننے والا ان کے زمانہ میں کوئی دوسرا نہیں تھا۔

عمر بن ارشد، ابن ابی ذئب، مالک بن انس، سفیان ثوری وغیرہم سے حدیث سنی، محمد بن سعد صاحب طبقات، ابو حسن زیادی، محمد بن اسحاق صغانی وغیرہ ان کے شاگرد ہیں۔

بغدادی نے ان کا ترجمہ بڑی تفصیل سے لکھا ہے ایک جگہ لکھتے ہیں کہ فقہ، اختلاف الناس فی الحدیث مغازی و سیر، طبقات و وقائع میں ان کی کتابیں مشرق و مغرب میں پھیل چکی ہیں۔

خلفائے بنی عباس ان کے قدرداں تھے اور ان کے فضل و کمال کی وجہ سے ان کے ساتھ اختصاص کا معاملہ کرتے تھے۔ یحییٰ بن خالد برمکی ان کا بڑا احترام کرتا تھا، ایک دفعہ ان پر ایک لاکھ درہم قرض ہو گیا، اس کو یحییٰ نے نہ صرف یہ کہ ادا کر دیا بلکہ مزید ایک لاکھ درہم بھجوا دیئے، تاکہ ضرورت میں کام آئے۔

ابتداءً یہ گندم کی تجارت کرتے تھے اور اس تجارت میں اللہ نے بڑی برکت بھی دی تھی، لیکن جود و سخا کا عالم یہ تھا کہ کبھی آپ پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوئی، فقراء اور مساکین اور دوسرے اصحاب حاجات کی معاونت و دستگیری کرنے میں مشہور تھے، خطیب نے لکھا ہے۔ **کان جوادا کریما** یعنی سخی اور کریم تھے۔

ابن شاذان کا بیان ہے کہ واقدی بیان کرتے تھے کہ انہیں خلیفہ سے چھ لاکھ درہم حاصل ہوئے مگر کبھی ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوئی اور جب ان کا انتقال ہوا کفن دفن کے لئے کپڑا بھی نہیں تھا اور نہ

پیسہ کہ جس سے کپڑا خرید لیا جاتا، تو مامون نے ان کے کفن کا انتظام کیا۔

ابراہیم حربی کا بیان ہے کہ وقائع اسلامی کا علم واقدی سے بڑھ کر کسی دوسرے کو نہیں تھا بڑے بڑے علماء اس بارے میں ان سے رجوع کیا کرتے تھے، ان کے علم پر لوگوں کو اعتماد تھا، ایک دفعہ امام مالک سے لوگوں نے اس عورت کے بارے میں پوچھا جس نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دیا تھا کہ اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا گیا ؟ امام مالک نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں، میں پوچھ کر بتلا دوں گا، واقدی سے جب ملاقات ہوئی تو امام مالک نے اسے معلوم کیا، انہوں نے بتلایا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کرا دیا تھا، چنانچہ یہی بات امام مالک نے سائل سے کہدی۔

واقدی نے مغازی کا علم بڑی تحقیق، محنت اور توجہ سے حاصل کیا تھا، خود فرماتے ہیں کہ میں ہر اس آدمی سے جس کا تعلق اولاد صحابہ یا ابناء شہداء یا ان کے غلاموں سے رہا ہو ضرور سوال کرتا تھا کہ فلاں کا انتقال کہاں ہوا اور فلاں کی شہادت کہاں ہوئی، اور پھر میں ان جگہوں کو خود جا کر دیکھتا تھا اس طرح میں نے ان ساری جگہوں کو دیکھا ہے جہاں کسی صحابہ کی شہادت ہوئی، یا جہاں معرکۂ جہاد قائم ہوا۔

ان کے پاس کتابوں کی ایک عظیم مقدار تھی، ایک دفعہ بغداد کے جانب مغرب سے جہاں ان کا قیام تھا، کہیں دوسری جگہ جانا چاہا تو ایک سو بیس اونٹ پر ان کی کتابیں لادی گئی تھیں، ابوحذافہ کہتے ہیں۔ کہ واقدی کی کتابیں چھ سو الماریاں تھیں۔

قوت حافظہ بھی اللہ نے خوب دے رکھی تھی، لوگوں کا کہنا ہے کہ ان کی کتابوں سے زیادہ ان کی قوت حفظ تھی، خود واقدی کا بیان ہے کہ ہر آدمی کی کتابیں اس کے حفظ سے زیادہ ہوا کرتی ہیں، لیکن میرا حافظہ میری کتابوں سے زیادہ ہے، ان کے متعلق محدثین نے جرح اور تعدیل دونوں طرح کے کلمات کا استعمال کیا ہے۔ لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اخبار وسیر اور مغازی میں ان کا مقام بہت بلند ہے اور اس باب میں یہ ثقہ اور معتبر ہیں۔

(تاریخ بغداد ج ۳ ص ۱)

علی بن جعد جوہری

ولادت : سنہ ۱۳۴ھ　　　　وفات : سنہ ۲۳۰ھ

کبار محدثین میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ بڑے بڑے ائمہ حدیث نے آپ سے احادیث کا سماع کیا ہے، جن میں امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین جیسے لوگ ہیں۔ اساتذہ میں سفیان ثوری، مالک بن انس، شعبہ بن حجاج اور ابن ابی ذئب جیسے کبار محدثین ہیں، جواہر کی تجارت کرتے تھے، اسی وجہ سے آپ کو جوہری کہا جاتا ہے۔

اظہار حق میں آپ بیباک تھے اور کلمہ حق کا اعلان آپ کا طرۂ امتیاز تھا اور اس سلسلہ میں امراء اور سلاطین کی بھی آپ پرواہ نہیں کرتے تھے۔ ایک دفعہ خلیفہ مامون کے دربار میں آپ بھی بعض دوسرے علماء کے ساتھ حاضر تھے۔ مامون کسی ضرورت سے اندر گیا، جب واپس آیا تو دربار میں سارے علماء اس کی تعظیم میں کھڑے ہو گئے لیکن علی بن جعد اپنی جگہ بیٹھے رہے، مامون نے ان کی طرف خشمگین نگاہ سے دیکھا اور پوچھا آپ کیوں نہیں کھڑے ہوئے۔ علی بن جعد نے کہا کہ میں نے ایک حدیث آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی ہے کہ جو شخص یہ پسند کرے کہ لوگ اس کے لئے کھڑے ہوں تو اس کو چاہیے کہ اپنا ٹھکانا جہنم بنالے۔ اس وجہ سے میں نے کھڑا ہونا مناسب نہیں جانا۔ مامون نے تھوڑی دیر اس حدیث میں غور کیا پھر اس نے کہا کہ جواہر اسی سے خریدنے چاہئیں پھر اس نے تیس ہزار دینار کے جواہر ان سے خریدے۔

آپ کے حافظہ کی جودت اور قوت کی ائمہ فن نے گواہی دی ہے۔ موسیٰ بن داؤد فرماتے ہیں کہ میں نے علی بن جعد سے زیادہ حافظہ والا کسی کو نہیں دیکھا۔ ہم دونوں ابن ذئب کے پاس تھے ابن ذئب نے ہمیں بیس حدیث املاء کرائیں، علی بن جعد نے اس کو اسی وقت یاد کر لیا اور ہم کو اس کا املاء کرادیا۔

خلف بن سالم فرماتے ہیں کہ میں اور یحییٰ ابن معین اور ابن حنبل علی بن جعد کے پاس حاضر ہوئے انھوں نے اپنی کتابیں ہمیں دیدیں اور خود اندرون خانہ ہمارے کھانے کا انتظام کرنے چلے گئے۔ جب ہم کھانا کھا چکے تو کتابوں کی ساری حدیثوں کو انھوں نے ہم سے حفظ بیان کر دیا۔

(دیکھو تاریخ بغداد ج ۱۱ صفحہ ۳۶۰ ترجمہ علی بن جعد الجوہری)

اسحٰق بن ابراہیم بن راہ ویہ

ولادت: سالا۱۶ھ وفات: سنہ۲۳۸ھ

مشہور زمانہ محدث اور امام بخاری و مسلم و ترمذی کے کبار شیوخ میں ہیں، ان کے والد کی پیدائش ایک سفر میں راستے میں ہوئی تھی، اس لئے ان کا لقب راہ ویہ پڑ گیا تھا یعنی راستے والا اور بعد میں اسی نام سے ان کی شہرت ہوئی۔

آپ حدیث و فقہ کے مسلم امام ہیں اور چمن زار حدیث کے ایک گل سرسبد، آپ کی جلالت شان کا پتہ چلانے کے لئے یہی کافی ہے کہ بخاری و مسلم جیسے ائمہ حدیث نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور آپ سے حدیث سنی۔ نعیم بن حماد فرماتے ہیں کہ اگر کسی عراقی کو احمد بن حنبل کے بارے میں جرح کرتے دیکھو تو سمجھ لو کہ اس کے پاس دین نہیں ہے اور کسی خراسانی کو اسحٰق بن راہ ویہ کے بارے میں کلام کرتے سنو تو یقین کر لو کہ اس سے بھی اس کا دین رخصت ہو چکا ہے۔

محمد بن اسلم طوسی فرماتے ہیں کہ میں نے اسحٰق سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا کسی اور کو نہیں، پایا اور فرمایا کہ ان کا علم سب سے زیادہ تھا اگر سفیان ثوری بھی زندہ ہوتے تو ان کو بھی ان کے علم کی ضرورت ہوتی، امام دارمی فرماتے ہیں کہ ابن راہ ویہ نے اپنی سچائی، راست گفتاری سے مشرق و مغرب والوں پر سرداری کی۔ ابن حنبل فرماتے ہیں کہ میں سارے عراق میں ان کی نظیر نہیں پاتا ہوں۔ ایک دفعہ ان سے پوچھا گیا کہ ابن راہ ویہ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ فرمایا کہ ان جیسے لوگوں کے بارے میں بھی سوال کیا جائے گا؟ وہ مسلمانوں کے امام تھے۔ کان اماما من ائمۃ المسلمین، ابن ذویب فرماتے ہیں کہ میرے علم میں روئے زمین پر اسحاق جیسا کوئی نہیں ہے۔

محمد بن یحییٰ ذہلی کا بیان ہے کہ بغداد میں جب کبار محدثین کا اجتماع ہوتا اور یحییٰ بن معین اور امام احمد

جیسے لوگوں کی مجلس ہوتی تو صدر نشین اسحاق ہوتے۔ محمد بن یحییٰ صفار کہا کرتے تھے کہ اگر حسن بصری زندہ ہوتے تو وہ بھی بہت سی چیزوں میں ابن راہ ویہ کے محتاج ہوتے۔

قوت حفظ میں آپ کا مقام بہت اونچا تھا، اس کا اعتراف آپ کے سبھی معاصرین کو تھا۔ ایک مرتبہ ان سے کہا گیا کہ شعبی فرمایا کرتے تھے کہ میں نے کبھی روشنائی کا استعمال نہیں کیا۔ اور جس نے جو حدیث بھی بیان کی میں نے اس کو اسی وقت یاد کر لیا، اور اس سے میں نے کبھی دوبارہ اعادہ کی درخواست نہیں کی۔ اسحاق نے فرمایا کہ اس میں تعجب کی کیا بات ہے میرا بھی یہی حال تھا کہ جس حدیث کو سنتا وہ اسی وقت مجھے محفوظ ہو جاتی اور ستر ہزار حدیثیں تو مجھے اس طرح یاد ہیں کہ گویا وہ ہر وقت میری نگاہ کے سامنے ہیں۔

ابوداؤد خلف فرماتے ہیں کہ میں نے ابن راہ ویہ کو کہتے سنا کہ ایک لاکھ حدیثیں اس طرح یاد ہیں کہ گویا میں دیکھ رہا ہوں۔ ابوزرعہ جو خود نہایت بلند پایہ امام حدیث ہیں اور قوتِ حفظ میں یکتائے زمانہ شمار ہوتے ہیں، ان کا بیان ہے کہ میں نے اسحٰق جیسا حافظِ حدیث نہیں دیکھا ابوحاتم فرماتے ہیں کہ تعجب تو یہ ہے کہ حفظ کے ساتھ ساتھ اتقان اور غلطی سے سلامتی بھی آپ کا طرۂ امتیاز تھا۔

عبداللہ بن طاہر فرماتے ہیں کہ میں نے اسحاق سے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ کو ایک لاکھ حدیث یاد ہے تو آپ نے فرمایا کہ یہ میں نہیں جانتا کہ مجھے تعداد میں کتنی حدیثیں یاد ہیں، لیکن جو حدیث میں نے سنی وہ یاد کر لی اور جو یاد کر لی پھر وہ ذہن سے باہر نہیں ہوئی۔

ابوداؤد خفاف فرماتے ہیں کہ اسحٰق نے ہمیں اپنے حفظ سے گیارہ ہزار حدیثیں املاء کرائیں، اور پھر جب انکو انکو دوبارہ پڑھا تو جیسا املا کرایا تھا بالکل اسی طرح بلا ایک حرف کی کمی بیشی کے پڑھ دیا آپکی مسند حدیث کی مشہور کتاب ہے۔ ابراہیم بن طالب فرماتے ہیں کہ آپنے پوری مسند کا زبانی املاء کرایا تھا اور دوبارہ اس کو زبانی از اول تا آخر پڑھا بھی تھا۔ ابویحییٰ شعرانی فرماتے ہیں کہ میں نے ان کے ہاتھ میں کبھی کتاب نہیں دیکھی وہ ہمیشہ اپنے حفظ ہی سے حدیث بیان کرتے تھے۔ ابوداؤد کا بیان ہے کہ مرنے سے پانچ ماہ قبل ان کے حافظہ میں کچھ تغیر آگیا تھا۔

(دیکھو تاریخ بغداد ج ۶ ص ۔ اور تاریخ کبیر ابن عساکر ج ۲ ص ۴۰۹)

امام احمد بن حنبل

ولادت: سنہ ۱۶۴ھ وفات: سنہ ۲۴۱ھ

سرگروہ حفاظ، امام المحدثین، کاروانِ علم کے سالار اور مشہور امام متبوع ہیں۔ فتنۂ خلقِ قرآن میں ان کی آزمائش اور ثابت قدمی، بلند ہمتی اور بے باکی مشہور عام اور زبان زدِ عام ہے۔

بغداد میں پیدا ہوئے اور وہیں نشو و نما ہوئی۔ ابھی تین سال ہی کے تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا۔ والدہ نے پرورش کی، ابتدائی زمانہ نہایت عسرت اور تنگدستی کا تھا، بعد میں فتوحات کا دروازہ کھلا مگر استغناء کی شان اس قدر غالب تھی کہ سلاطین و امراء اور اہلِ دنیا کے ہدیے اور عطایات کی طرف نگاہ بھی نہیں اٹھاتے تھے۔

کوفہ، بصرہ، مکہ، مدینہ، یمن، شام اور جزیرہ کا سفر کیا اور وہاں کے اکابر محدثین سے استفادہ کیا۔ آپ کے مشہور اساتذہ میں سے بعض یہ ہیں۔

یزید بن ہارون، یحییٰ بن سعید قطان، سفیان بن عیینہ، امام شافعی، ہشیم، عبدالرزاق بن ہمام، ابراہیم بن سعد، یحییٰ بن ابی زائدہ۔

ان کے علاوہ ایک بڑی تعداد سے علمی استفادہ کیا، شاگردوں کی بھی ایک بڑی جماعت ہے، جن میں سے چند مشاہیر کے نام درج ذیل ہیں۔

امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، ابوزرعہ، عبداللہ صاحبزادہ ابن حنبل، ابوالقاسم بغوی وغیرہ۔

مگر تعجب ہے کہ امام بخاری نے اپنی جامع میں ان سے صرف ایک حدیث روایت کی ہے۔ طاش کبری زادہ لکھتے ہیں۔

ان البخاری لم یذکر فی صحیحہ عنہ الا حدیثاً واحداً فی آخر کتاب

الصدقات تعلیقاً یعنی امام بخاری نے اپنی صحیح میں ان سے صرف ایک حدیث روایت کی ہے جو کتاب الصدقات کے آخر میں ہے اور وہ بھی تعلیقاً۔

امام احمد بن حنبل نے سب سے پہلے حضرت امام ابو یوسف جیسے فاضل یگانہ اور امام فقہ سے تلمذ اختیار کیا۔ ابن کثیر البدایہ میں لکھتے ہیں۔

وقد کان فی حداثة سنه یختلف الی مجلس القاضی ابی یوسف یعنی وہ اپنے بچپن میں امام ابو یوسف کی مجلس میں آیا جایا کرتے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ جس کا بچپنا امام ابو یوسف جیسے صاحب علم اور فقیہ یگانہ، حافظ حدیث، صاحب ورع و تقویٰ کی مجلس میں گزر چکا ہو اس کی تاب میں علم کی محبت، تقویٰ و ورع سے رغبت، طلب حدیث کا ذوق، مکارم اور شدائد پر صبر، بلند ہمتی اور دور نور علم وغیرہ امور میں وہ کیا کچھ ہو گا وہ کسی صاحب نظر پر مخفی نہیں ہے۔

امام احمد کا مقام علم و فضل کے علاوہ تقویٰ و طہارت، عفت و نزاہت، جرأت و بے باکی، عبادت و ریاضت وغیرہ صفات فاضلہ میں بھی بہت بلند تھا۔

سلاطین و امراء سے اس درجہ کنارہ کش رہتے کہ جو ان سلاطین کے پاس آتا جاتا اس کو بھی ملنا جلنا ترک کر دیتے۔ ایک دفعہ امام شافعی نے ان سے کہا کہ یمن میں قاضی کی ضرورت ہے تم اس عہدہ کو قبول کر لو، امام احمد نے غصہ میں فرمایا کہ میں آپ کے پاس اس علم کی طلب میں آتا ہوں جو دنیا سے بے رغبت کرنیوالا ہے۔ اور آپ مجھے ترغیب دے رہے ہیں کہ قاضی بن جاؤں، اگر علم کا معاملہ نہ ہوتا تو میں آپ سے ترک کلام کر لیتا۔ اس بارے میں وہ اتنے شدید تھے کہ اپنے چچا اسحٰق کے پیچھے محض اس وجہ سے نماز نہیں پڑھتے تھے کہ انہوں نے کبھی جائزہ سلطانی قبول کر لیا تھا اور یہی جرم ان کے لڑکوں کا بھی تھا اس وجہ سے ان سے بھی ترک کلام تھا۔ بیہقی فرماتے ہیں کہ خلیفہ وقت کے یہاں سے انواع و اقسام کے کھانے آتے تھے مگر یہ اس میں سے ایک لقمہ بھی نہیں لیتے تھے۔ انھیں کا بیان ہے کہ ہارون رشید نے ایکدفعہ محدثین کو تقسیم کرنیکے لئے کچھ سونا بھیجا۔ سب نے لیا مگر ابن حنبل نے چھوا تک نہیں۔

اور فقر و فاقہ کا عالم یہ تھا کہ بدن پر ایک کپڑے کے سوا دوسرا کپڑا نہیں ہوتا۔ ایکدفعہ گھر میں تھے کپڑا چوری ہو گیا اور دوسرا کپڑا نہیں تھا کہ اسے پہن کر باہر نکلتے۔

آپ نے اپنی زندگی میں پانچ حج کئے تھے، تین حج پیدل اور دو سواری سے اور ایک دفعہ پورے حج میں صرف تیس درہم خرچ کیا تھا۔

آپ کی امامت ثقاہت، عدالت اور بزرگی مرتبہ پر اتفاقِ عام ہے۔ آپ کے بارے میں اہلِ علم نے بہت بلند کلمات فرمائے ہیں۔ اسحٰق بن مرادویہ کہا کرتے تھے کہ امام احمد اللہ اور اس کی مخلوق کے درمیان حجت ہیں۔ امام شافعیؒ کا بیان ہے کہ جب میں بغداد سے نکلا تو احمد بن حنبل سے زیادہ کوئی صاحبِ ورع و تقویٰ نہیں تھا۔ ایک دفعہ فرمایا کہ ان سے زیادہ پرہیزگار، ان سے زیادہ فقیہ، اور ان سے زیادہ حدیث کا جاننے والا دوسرا نہیں تھا۔ احمد بن سعید دارمی کا بیان ہے کہ میں نے کسی سیاہ سر والے کو ابن حنبل سے زیادہ حافظِ حدیث نہیں دیکھا اور نہ ان سے زیادہ کوئی دوسرا حدیث کی فقہ اور اس کے معانی کا واقف کار تھا۔ ابراہیم حربی کہتے ہیں کہ ان کے لئے اللہ نے اولین و آخرین کا علم جمع کر دیا تھا۔

امام داؤد فرماتے ہیں کہ امام احمد کی مجلس آخرت کی مجلس ہوا کرتی تھی اس میں دنیا کا کوئی ذکر نہ ہوتا۔ ان کے صاحبزادے عبداللہ کا بیان ہے کہ میرے والد دعا میں کہا کرتے تھے کہ اے اللہ تو نے میرے چہرے کو غیر کے سامنے جھکنے سے بچا لیا، اب تو اس کو غیروں سے سوال کرنے سے بھی بچا لے۔

قوتِ یادداشت اور حفظِ حدیث میں ان کا جو مقام تھا اسے معلوم کرنے کیلئے ابوزرعہ جیسے امامِ حدیث اور صاحبِ علم کا یہ بیان کافی ہے، ابوزرعہ کہا کرتے تھے کہ امام احمد بن حنبل کو دس لاکھ حدیثیں یاد ہیں۔ اور یہ میں نے ان سے علمی مذاکرہ کر کے اندازہ لگایا ہے۔ علی بن مدینی کہا کرتے تھے کہ جسطرح عام الردۃ میں اللہ نے حضرت صدیق سے دین کی حفاظت فرمائی اسی طرح فتنہ خلق قرآن میں امام احمد بن حنبل سے اپنے دین کی حفاظت کی۔ فتنہ خلقِ قرآن کے زمانہ میں امام احمد بن حنبل بار بار فرماتے تھے رحم اللہ ابا حنیفہ اللہ امام ابوحنیفہ پر رحم کرے، لوگوں نے جب اسکا سبب پوچھا تو کہا کہ جب میری پیٹھ پر کوڑے برسائے جاتے تھے تو میں امام ابوحنیفہ کو یاد کر لیتا تھا کہ اسی طرح آپ کو بھی کوڑے لگائے گئے تھے، اور انھوں نے اللہ کے دین کے لئے اس کو برداشت کیا تو مجھے بھی اس سے صبر آجاتا تھا۔ جب انتقال ہوا تو جنازہ میں اتنے لوگ شریک ہوئے جسکا شمار دشوار ہے متوکل خلیفہ نے اس جگہ کی پیمائش کرائی جہاں نمازِ جنازہ ہوئی تھی تو تیرہ لاکھ آدمیوں کا اندازہ لگایا گیا دفن کے بعد بھی ایک عرصہ تک لوگ انکی قبر پہ نماز ادا کرتے رہے۔ آپکی زندہ کرامتوں سے بڑھ کر آپکی نمازِ جنازہ میں لوگوں کا اژدہام دیکھ کر یہود و نصاریٰ کے تیس ہزار آدمیوں نے اسلام قبول کر لیا

دیکھو مفتاح السعادۃ صفحہ ۹۷/۲ ، تذکرہ صفحہ ۱۷/۲ ، البدایہ والنہایہ صفحہ ۳۲۶/۱۰ ۔

محمد بن ہشام التیمی الشیبانی

ولادت سنہ   وفات سنہ ۲۴۵ھ

شعر ولغت وعربیت کے امام تھے۔ اصلاً اہواز کے تھے۔ طلب حدیث میں دور دور کا سفر کیا۔ آغاز جوانی ہی میں مکہ وکوفہ اور بصرہ آئے گئے اور وہاں کے شیوخ حدیث سے علم حدیث کی تحصیل کی۔ آپ کے شیوخ حدیث میں ابن عیینہ، وکیع، جریر بن عبد الحمید، محمد بن فضیل وغیرہ ہیں۔

عربیت کی طلب کا سودا سمایا تو بادیۂ عرب کو زمانہ دراز تک اپنی قیامگاہ بنائے رکھا اور مختلف خاندانوں اور قبیلوں میں رہ کر عربیت اور لغت میں اہم مقام پیدا کیا آپ کے شاگردوں میں زبیر بن بکار، ثعلب، اور مبرد جیسے کامل الفن اور نحو وصرف اور لغت وادب کے امام ہیں۔

محمد مہلبی کا بیان ہے کہ میں نے ابو محلم سے زیادہ شعر اور ایام عرب کا حافظ نہیں دیکھا۔ ابو محلم کا خود اپنا بیان ہے کہ میں ابن عیینہ کی مجلس میں حاضر ہوا کرتا تھا لیکن نہ ہاتھ میں قلم ہوتا تھا اور نہ دوات ہوتی تھی ایک دفعہ ابن عیینہ نے کہا کہ تم مجلس میں شریک تو ہوتے ہو لیکن تم کو کوئی خاص فائدہ نہ ہوگا۔ میں نے پوچھا کیوں؟ آپ نے فرمایا کہ تمھارے ہاتھ میں نہ قلم ہوتا ہے نہ دوات ہوتی ہے۔ جب لکھو گے نہیں تو حدیثیں یاد کیسے رکھو گے؟ میں نے ان سے جواباً عرض کیا کہ آپ نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ سب مجھے یاد ہے ابن عیینہ کو میرے اس جواب سے تعجب ہوا اور ایک شاگرد کی کاپی لیکر میرا امتحان لینا شروع کیا۔ میں نے وہ ساری حدیثیں بلا کسی ادنیٰ فرق کے بتا دیں۔ جن کو انھوں نے ابتک بیان کیا تھا۔ پھر دوسری مجلس میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ ابن عیینہ نے

نے خوش ہو کر کہا کہ مجھے زہری نے عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ ہر ستر سال پر اللہ ایک ایسا آدمی پیدا کرتا ہے جو ہر چیز کو محفوظ رکھتا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت کے صاحب سبعین تم ہی ہو۔

اوپر گذر چکا ہے کہ لغت اور شعر میں ان کا مقام بہت بلند تھا۔ اس سلسلہ کا ایک واقعہ درج ذیل ہے۔

ایک دفعہ واثق باللہ نے خواب دیکھا کہ وہ اللہ سے جنت کا سوال کر رہا ہے۔ اور اس سے عاجزانہ درخواست کر رہا ہے کہ وہ اسے اپنی رحمت سے ڈھانک لے اور اسے ہلاک نہ کرے اور وہیں کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے کہ ہلاک وہی ہوگا جس کا دل "مرت" ہوگا۔ اس خواب کی تعبیر کے لئے ابو محلم کو بلایا گیا۔ انھوں نے کہا کہ "مرت" چٹیل زمین کو کہتے ہیں۔ خواب میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہلاک وہ انسان ہوگا جس کا قلب ایمان سے اس طرح خالی ہو جس طرح گھاس پھونس سے چٹیل اور اجاڑ میدان خالی رہتا ہے

اب واثق کی طرف سے یہ مطالبہ ہوا کہ مرت کا یہ معنیٰ کلام عرب سے پیش کرو۔ ابو محلم نے جو غور کیا تو اس کو کوئی ایسا شعر یاد نہ آسکا جس سے وہ اپنے دعویٰ کو ثابت کر سکتا حاضرین مجلس میں سے کسی نے کوئی ایسا شعر پڑھ دیا جس سے ابو محلم کے بتائے ہوئے معنی کی تائید ہوتی تھی۔

ابو محلم ہنس پڑے اور کہا کہ کبھی انسان سے قریب رہنے والی چیز دور ہو جاتی ہے اور پھر شعراء عرب کے سو شعر ایسے پڑھے جس میں اس لفظ کو اسی معنیٰ میں استعمال کیا گیا تھا۔

بغیۃ الوعاۃ صفحہ ۱۱۱

محمد بن بشار بندار بصری

ولادت سنہ ۱۶۷ھ وفات سنہ ۲۵۲ھ

محمد بن بشار مشہور حافظ حدیث اور محدثین کی صف کے ایک ممتاز بزرگ ہیں صحیح مسلم میں ان کی روایتیں کثرت سے ہیں۔

محمد بن جعفر غندر، عبدالرحمٰن بن مہدی، یحییٰ القطان، وکیع بن جراح جیسے ائمہ حدیث اور اعیان فضل وکمال سے ان کو تلمذ تھا۔

ابراہیم ابن اسحٰق ابن ابی الدنیا، عبداللہ ابن احمد بن حنبل، محمد بغوی وغیرہ ان کے تلامذہ ہیں۔

یحییٰ قطان کی صحبت میں بیس سال تک رہے۔ اور ان سے بہت زیادہ علمی استفادہ کیا لیکن پھر بھی افسوس کرتے رہے اور کہا کرتے تھے کہ اگر ابھی یحییٰ زندہ ہوتے تو میں ان کی ملازمت ترک نہ کرتا۔

فرماتے تھے کہ میں نے جب طلب علم کے لئے سفر کا ارادہ کیا تو میری والدہ نے مجھے روکا۔ میں نے اپنے شوق پر والدہ کی اطاعت کو ترجیح دی۔ آج اسی اطاعت کا نتیجہ ہے کہ میرے علم میں یہ برکت ہے۔

صالح بن عبداللہ کا بیان ہے کہ مجھ سے میرے والد نے بیان کیا کہ بندار کثیر الحدیث تھے اور ان کا تعلق کپڑا بُننے والی قوم سے تھا۔ اردی کہتے ہیں کہ محدثین نے بندار کی حدیثوں کو قبول کیا ہے اور میں نے جس کو پایا اس نے ان کے صدق، اور ان کے خیر کا ذکر کیا ہے۔

ابو داؤد سلیمان بن اشعث کا بیان ہے کہ میں نے بندار سے تقریباً پچاس ہزار ۵۰۰۰۰

حدیثیں لکھی ہیں اور بندار کا اپنے متعلق بیان ہے کہ میں حدیث بیان کرنے کے لئے
اس وقت تک نہیں بیٹھا جبتک کہ ساری حدیثیں جو میرے پاس تھیں اس کو زبانی یاد نہ کرلیا

تاریخ بغداد صفحہ ۱۰۱ ج ۳

محمد بن اسمٰعیل البخاری صاحب الجامع

ولادت سنہ ۱۹۴ وفات سنہ ۲۵۶

امیر المومنین فی الحدیث امام المحدثین محمد بن اسمٰعیل بخاری کی شخصیت آفاقی شہرت کی حامل ہے۔ آپ کی کتاب "الجامع الصحیح" باجماع امت اصح کتب بعد کتاب اللہ ہے۔ کلام اللہ کے بعد اس کتاب کو جو مقبولیت حاصل ہوئی ہے دنیا کی کسی کتاب کو حاصل نہ ہوسکی۔ اور کتاب اللہ کے بعد جتنا اس کتاب کو پڑھا گیا کوئی دوسری کتاب اتنی نہیں پڑھی گئی۔

آپ آسمان علم و فضل کے وہ نیر تاباں اور بدر منیر ہیں جس پر ملت اسلامیہ کو فخر ہے۔ آپ گروہ محدثین کے صدر نشیں اور علم حدیث کے تاجدار ہیں۔ آپ کا نام لینا برکت اور سعادت ہے۔ آپ سے محبت کرنا ایمان ہے۔

امام بخاری بخارٰی میں پیدا ہوئے اور ابھی عمر کا دسواں سال بھی پورا نہیں ہوا تھا کہ طلب حدیث میں لگ گئے۔ پہلے اپنے شہر کے محدثین سے استفادہ کیا پھر مشہور اسلامی شہروں اور ملکوں کا سفر کیا۔ خطیب لکھتے ہیں۔

علم کی طلب میں ان تمام شہروں میں گئے جہاں محدثین کا وجود تھا۔ خراسان میں جبال اور عراق کے شہروں میں حجاز، شام، اور مصر میں آپ نے محدثین سے حدیث لکھی۔

امام بخاری فرماتے ہیں کہ میں حجاز اور کوفہ اتنی مرتبہ گیا جس کا شمار بھی نہیں کرسکتا اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ امام بخاری کے فضل و کمال اور ان کی حدیث میں براعت و مہارت اور فن میں حذاقت و شہرت میں محدثین کوفہ اور حجاز کا ان پر بڑا احسان ہے۔ انھیں محدثین کے دامن تربیت میں رہ کر اور ان سے کسب فیض کر کے امام بخاری نے وہ مقام حاصل کرلیا جو ہر زمانہ کے علما اور محدثین کے لئے باعث صد رشک بنا رہا۔

اپنے زمانہ کے تقریبًا سبھی مشہور محدثین سے آپ نے حدیث لکھی جن میں مکی بن ابراہیم ابو عاصم نبیل، سلیمان بن حرب، قتیبہ بن سعید علی بن مدینی، یحییٰ بن معین، احمد بن حنبل اسحٰق بن راہویہ، ابو بکر بن ابی شیبہ، اور ان کے برادر عثمان بن ابی شیبہ، اور حمیدی جیسے اساطین علم ہیں۔ جن کی شہرت سے پورا عالم اسلام گونج رہا تھا۔

احمد بن سیار فرماتے ہیں طلب العلم وجالس الناس ورحل فی الحدیث ومھر فیہ وابصر وکان حسن المعرفۃ وحسن الحفظ وکان یتفقہ، یعنی بخاری نے علم طلب کیا، محدثین کی ہم نشینی کی، حدیث کیلئے سفر کیا، اور اس میں مہارت بہم پہونچائی، اور صاحب بصیرت ہوئے، علم حدیث میں ان کو معرفت خوب تھی، حافظہ بھی عمدہ تھا اور وہ فقہ بھی حاصل کر رہے تھے۔

لوگوں نے ان سے سوال کیا کہ ابتداءً آپ کو حدیث کی طلب کا شوق کیسے ہوا تو آپ نے فرمایا کہ الھمت حفظ الحدیث وانا فی الکتاب یعنی میں ابھی مکتب ہی میں تھا کہ میرے دل میں حفظ حدیث کا خیال پیدا ہوا۔

آپ کی قوت حفظ فطری اور وہبی تھی۔ ابھی عمر کی دسویں منزل ہی میں تھے۔ اس وقت اپنے استاد امام داخلی کے پاس آنا جانا شروع کر دیا تھا۔ ایک روز انھوں نے حدیث کی روایت کرتے ہوئے کہا عن ابی الزبیر عن ابراھیم امام بخاری نے ان کو ٹوکا کہ جناب ابو زبیر نے ابراہیم سے روایت نہیں کی ہے۔ امام داخلی کو اس کم سن بچہ کی اس جسارت پر غصہ آگیا۔ امام بخاری نے عرض کیا کہ آپ اصل سے مقابلہ کر کے دیکھ لیں۔ چنانچہ امام داخلی اندر گئے اور اس حدیث کا اصل سے مقابلہ کیا تو معلوم ہوا کہ امام بخاری کا اعتراض صحیح ہے۔ پھر انھوں نے امام بخاری سے پوچھا اچھا بتلاؤ یہ سند کس طرح ہے۔ امام بخاری نے فورًا جواب دیا ھو الزبیر بن مھدی عن ابراھیم۔ امام داخلی کو ان کی ذہانت اور ان کے حافظہ پر نہایت تعجب ہوا اور بھری مجلس میں انھوں نے اپنی کتاب کی اصلاح کی۔

امام بخاری کا بیان ہے کہ میں اپنی عمر کی ابھی سولہویں منزل میں تھا کہ ابن مبارک کی کتابیں حفظ کر چکا تھا اور محدثین کے کلام کا عارف بن چکا تھا۔ اور اٹھارہویں سال

میں تصنیف شروع کر دی تھی اور اسی وقت میں آپ نے اپنی کتاب تاریخ کبیر تالیف کی فرماتے ہیں کہ میں اسے آنحضورﷺ کی قبر کے پاس چاندنی رات میں لکھتا تھا۔ امام بخاری کا کہنا ہے کہ اس کتاب میں جو بھی نام آیا ہے اس کا کوئی نہ کوئی واقعہ مجھے ضرور یاد ہے۔ مگر کتاب کے طویل ہو جانیکے کے خوف سے میں نے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔

سعدانی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے بعض اصحاب سے سنا ہے کہ امام بخاری فرماتے تھے کہ میں نے اپنی کتاب جامع کو چھ لاکھ حدیثوں سے منتخب کیا ہے اور اس میں میں نے صرف وہ حدیثیں ذکر کی ہیں جو صحیح ہیں اور بہت سی حدیثوں کو میں نے ترک بھی کر دیا ہے۔

اس کتاب کو اللہ نے ایسی مقبولیت بخشی کہ حدیث کی کسی دوسری کتاب کو یہ مقبولیت حاصل نہ ہو سکی۔ اس کتاب کو سننے کیلئے محدثین کا انبوہ کثیر جمع ہوا کرتا تھا اور راستے بھر جاتے تھے۔ محمد بن یوسف فربری کہتے ہیں کہ اس کتاب کو امام بخاری سے نوے ہزار آدمیوں نے سنا ہے۔ لیکن اب اس کی روایت کرنیوالا صرف میں ہوں۔ یہاں یہ بات بھی جاننا فائدے سے خالی نہیں ہے کہ محمد بن یوسف فربری حنفی ہیں گویا احناف کو یہ فخر حاصل ہے کہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ کا سلسلہ روایت آج ایک حنفی پر ختم ہوتا ہے۔

امام بخاری سے پوچھا گیا کہ اس کتاب میں جو روایتیں ہیں وہ سب آپ کو محفوظ ہیں آپ نے فرمایا کہ اس کتاب کی کوئی چیز مجھ پر مخفی نہیں۔

امام بخاری فرماتے ہیں کہ میں نے ایک ہزار اساتذہ سے حدیث لکھی ہے اور صرف یک حدیث ایسی ہے جس کی سند مجھے یاد نہیں۔

حاشد بن اسمٰعیل ان کی قوت حفظ کا ایک عجیب واقعہ سناتے ہیں۔ فرماتے ہیں ا امام بخاری ہمارے ساتھ مشائخ بصرہ کے پاس حدیث سننے کے لئے آیا جایا کرتے تھے اور ابھی نوعمر ہی تھے لیکن کچھ لکھتے نہیں تھے۔ چند روز اسی طرح گذر گئے۔ ہم لوگوں نے ان کو ملامت کی کہ تم ہمارے ساتھ آتے جاتے ہو اور اپنا وقت برباد کرتے ہو اور تم کچھ لکھتے بھی نہیں۔ امام بخاری ہماری ملامتوں کو خاموشی سے سن لیا کرتے۔ جب

سولہ روز گذر گئے تو انھوں نے کہا تم لوگوں نے مجھے بہت ملامت کی۔ اب پیش کر دتم لوگوں نے کیا لکھا ہے جب ہم نے اپنی کتابوں کو دیکھا تو سولہ ہزار حدیثیں ہم لکھ چکے تھے۔ امام بخاری نے ان ساری حدیثوں کو زبانی سنا دیا اور پھر کہا کہ کیا تم سمجھتے ہو میں اپنا وقت برباد کرتا ہوں۔ حاشد بن اسمٰعیل فرماتے ہیں کہ اس روز سے ہم نے جان لیا کہ ان سے کوئی سبقت نہیں لے جا سکتا۔

ابو بکر کلوذانی کا بیان ہے کہ میں نے محمد بن اسمٰعیل بخاری جیسا محدث نہیں دیکھا۔ محدث کی کسی بھی کتاب پر ایک نظر کر لیتے اور ساری حدیثوں کو صرف ایک مرتبہ دیکھ کر یاد کر لیتا اور ان کا دستور تھا کہ حدیث جب سنتے تو لکھتے نہیں تھے۔

بغداد اور بصرہ میں امام بخاری کا بار بار امتحان لیا گیا اور ہر دفعہ انھوں نے اپنی قوتِ حافظہ سے محدثین کو انگشت بدنداں کر دیا۔ ایک دفعہ سمرقند میں چار سو محدث جمع ہوئے اور انھوں نے چاہا کہ امام بخاری کو مغالطہ دیں۔ چنانچہ اس طرح حدیثیں تیار کیں کہ محدثین شام کی اسانید کو عراق کے محدثین کی اسناد سے بدل دیا اور حرمین کے مشائخ کی اسنادوں کو یمن کے مشائخ محدثین کی سندوں میں داخل کر دیا۔ اسی طرح اور دوسرے شہروں کے محدثین کی سندوں کو دوسرے شہروں کی احادیث کی اسنادیں داخل کر کے امام بخاری کے سامنے پیش کیا لیکن فما استطاعوا ان یتعلقوا علیہ بسقطۃ ایک غلطی بھی امام بخاری کی وہ نہ پکڑ سکے۔

امام بخاری فرماتے تھے کہ مجھے ایک لاکھ صحیح حدیث یاد ہے اور دو لاکھ غیر صحیح، اور دو لاکھ احادیث تو جیسے میرے سامنے کھلی پڑی ہوں۔ ابھی ان کا بچپن ہی تھا کہ ستّر ہزار حدیث ان کو یاد ہو چکی تھی۔ سلیم ابن مجاہد فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ محمد بن سلام بیکندی کے پاس تھا۔ انھوں نے مجھ سے فرمایا کہ اگر تھوڑا سا اور پہلے تم آتے تو ایک بچہ دیکھتے جس کو ستر ہزار حدیث یاد ہے۔ ابن مجاہد فرماتے ہیں کہ میں ان کے پاس سے اٹھ کر اس بچہ کی طلب میں نکلا اور اس سے ملاقات کی میں نے اس سے پوچھا کہ کیا تم ہی ہو جس کو ستر ہزار حدیثیں یاد ہیں۔ امام بخاری نے کہا کہ ہاں بلکہ اس سے بھی زیادہ اور میں تم سے صحابہ اور تابعین کی جو حدیث بھی بیان کروں گا ان میں سے اکثر کے بارے

میں یہ بھی جانتا ہوں کہ ان کی پیدائش کب ہے اور وفات کب ہوئی اور ان کا مسکن کہاں تھا۔ نیز فرمایا میں کوئی حدیث بھی صحابہ اور تابعین سے ایسی نہیں بیان کرتا ہوں جس کی اصل میرے پاس قرآن اور حدیث سے محفوظ نہ ہو۔

احمد بن نصر خفاف فرماتے ہیں کہ امام بخاری کا مقام علم حدیث میں ابن راہویہ اور امام احمد بن حنبل سے بیس گنا زیادہ ہے۔ اور ابو رجار قتیبہ ابن سعید فرماتے تھے کہ خراسان کے جوان چار ہیں۔ محمد بن اسمٰعیل، عبداللہ بن عبدالرحمٰن، زکریا بن یحییٰ لولوی اور حسن بن شجاع بلخی، امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ چار خراسانی پر حفظ ختم ہے۔ ابو زرعہ رازی، محمد بن اسمٰعیل بخاری، عبداللہ بن عبدالرحمٰن سمرقندی، اور حسن بن شجاع، نیز وہ فرماتے تھے کہ محمد بن اسمٰعیل جیسا آدمی خراسان نے پیدا نہیں کیا۔ محمد بن اسحٰق خزیمہ کا بیان ہے کہ آسمان کے نیچے محمد بن اسمٰعیل سے زیادہ حدیث کا جاننے والا دوسرا نہیں ہے۔ امام مسلم نے ان کو مخاطب کر کے کہا کہ "اشہد انہ لیس فی الدنیا مثلک"، کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ دنیا میں آپ کی مثال نہیں۔

تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ پوری زندگی میں آپ نے اپنے ہاتھ سے کبھی خرید و فروخت نہیں کی فرماتے ہیں۔ منذ ولدت ما اشتریت من احدٍ بدرھم شیئاً قط ولا بعتُ من احدٍ بدرھم شیئاً قط یعنی جب سے پیدا ہوا نہ میں نے ایک درہم کی کوئی چیز خریدی نہ بیچی لوگوں نے ان سے سوال کیا کہ روشنائی اور کاغذ کہاں سے آتا تھا فرمایا کہ میں دوسروں سے خرید واتا تھا۔ اپنی صحیح کی تصنیف اس شان سے کی کہ ابتدا اس کی مسجد حرام میں کی تھی۔ اور ہر حدیث کے لکھنے سے پہلے غسل کرتے تھے۔ دو رکعت نماز پڑھتے تھے اور استخارہ کرتے تھے۔ اتنے اہتمام اور توجہ تام سے علم حدیث کا یہ شاہکار وجود میں آیا۔

اہل زمانہ کی ستم رسانیوں نے اس درجہ آپ کو تنگ کیا کہ آپ نے دعا فرمائی کہ اللّٰھم انّہ قد ضاقت علیَّ الارض بما رحبت فاقبضنی الیک۔ اے اللہ میرا اوپر زمین باوجود اپنی وسعت کے تنگ ہو گئی۔ اب آپ مجھے اپنے پاس بلالیں۔ اور دعا مستجاب ہوئی اور علم حدیث کا یہ کوکب درخشندہ افق عدم میں چھپ گیا۔

(دیکھو ترجمہ بخاری کیلئے تاریخ بغداد ج۲ تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۱۲۲ ج۲ مقدمہ فتح الباری جلد ثانی وغیرہ)

احمد بن فراتؒ

وفات سنہ ۲۵۸ھ

ولادت سنہ

احمد بن فرات بن خالد ابو مسعود ضبی رازی مشہور محدث، جلیل القدر حافظ حدیث اور کثیر الاحادیث بزرگ ہیں۔

بصرہ، کوفہ، حجاز، شام، یمن مصر جزیرۂ اصفہان وغیرہ کا سفر کیا اور وہاں کے مشائخ حدیث سے سماع کا شرف حاصل کیا۔ امام داؤد نے اپنی سنن میں ان سے روایت کی ہے۔ عام طور پر محدثین ان کی ثقاہت و عدالت کے قائل ہیں۔ خود ان کا بیان ہے کہ میں نے سترہ سو پچاس شیوخ حدیث سے حدیث لکھی ہے لیکن اپنی کتابوں میں صرف تین سو دس شیخ سے روایت کرتا ہوں اور بقیہ شیوخ کی احادیث کو میں نے چھوڑ دیا ہے۔

ابو داؤد طیالسی اور امام احمد بن حنبل ان کے اساتذہ میں ہیں۔ حضرت امام احمد بن حنبل باوجود اس کے کہ احمد بن فرات، ان کے تلمیذ اور شاگرد تھے۔ ان کا بڑا احترام کرتے تھے حتیٰ کہ بسا اوقات مجالس میں اپنے سے آگے ان کو بٹھلاتے تھے۔

ابن عساکر نے انکے علمی مرتبہ و مقام کا اعلان ان الفاظ میں کیا ہے احد الائمۃ الثقات والحفاظ الاثبات یعنی قابل اعتماد ائمہ حدیث اور پختہ کار حفاظ حدیث میں سے ایک ہیں۔ ابن حنبل فرمایا کرتے تھے کہ ما اعرف الیوم اعرف بمسندات رسول اللہ من ابن الفرات یعنی میرے علم میں آنحضورؐ کی مسند احادیث کا ابن فرات سے بڑھ کر کوئی دوسرا عارف اس وقت نہیں ہے۔

ابن غروبہ فرماتے تھے کہ وہ حفظ حدیث میں ابن شیبہ کے مقابل کے آدمی تھے حافظ ابو نعیم کا بیان ہے کہ ابن فرات نے پینتالیس سال تک اصبہان میں حدیث کا درس دیا ہے اور فرماتے ہیں ھو احد الائمۃ الحفاظ۔ ابو بکر خطیب ان الفاظ میں

احمد بن فرات کے علمی مقام کا اعتراف کرتے ہیں احد حفاظ الحدیث و من کبار الائمۃ فیہ وکان قد سافر کثیرًا یعنی وہ حفاظ حدیث میں سے تھے اور حدیث میں امامت کا درجہ رکھتے تھے اور حدیث کیلئے کثرت سے سفر کیا تھا۔

ابن فرات کا حافظہ مشہور زمانہ تھا۔ پندرہ لاکھ حدیثیں انھوں نے لکھی تھیں اور ان احادیث میں سے جب چاہتے اور جتنا چاہتے املا کرا دیتے تھے خود ان کا بیان ہے کہ کتبت الف الف حدیث وخمسمأۃ الف حدیث میں نے پندرہ لاکھ حدیث لکھی ہے۔ تین لاکھ حدیث تو صرف احکام اور تفسیر سے متعلق تھی فاخذت من ذالک ثلثمأۃ الف فی التفاسیر والاحکام ط

ابن عساکر کا بیان ہے کہ یہ ایک دفعہ مصر تشریف لائے اور ایک جگہ چت لیٹ گئے اور لوگوں سے کہا مجھ سے مشائخ مصر کی احادیث سن لو چنانچہ ایک ایک شخص کی حدیث وہ بیان کرتے جاتے تھے اور لوگ لکھتے جاتے تھے اور لطف یہ کہ یہ وہ مشائخ تھے جن سے ابھی ابن فرات کی ملاقات بھی نہیں ہوئی تھی۔

لوگوں کا بیان ہے کہ یہ ایک دفعہ اصبہان تشریف لائے۔ ساتھ میں ان کی کتابیں نہیں تھیں تو انھوں نے زبانی ہی مختلف موضوع کی ایک ہزار حدیث کا املا کرا دیا۔

گزر چکا ہے کہ انھوں نے پینتالیس سال تک اصبہان میں حدیث کا درس دیا۔ انھوں نے اصبہان ہی میں اقامت اختیار کر لی تھی اور یہیں وفات پائی اور مدفون ہوئے۔

ابن خراش کہا کرتے تھے کہ ابن فرات عمدًا دروغ گوئی سے کام لیا کرتے تھے لیکن ابن عدی کہتے ہیں کہ یہ ابن خراش کی زیادتی اور ان کا تحامل ہے۔ ابن فرات کی ایک حدیث بھی مجھے ایسی نہیں ملی جو منکر ہو اور کہا ھو من اھل الصدق والحفظ۔ وہ اہل صدق میں سے ہیں اور حافظ حدیث ہیں۔

ابن فرات اپنا ایک لطیفہ بیان کرتے ہیں کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں یزید بن ہارون کی مجلس سے تیس حدیث یاد کر کے نکلا سوچا کہ اسے نوٹ کر لوں۔ جب گھر پر آ کر اسے نوٹ کرنے لگا تو ابھی صرف تین حدیث ہی نوٹ کر پایا تھا کہ باندی نے کہا کہ گھر میں آٹا ختم ہو چکا ہے اس کا اثر میری طبیعت پر یہ ہوا کہ بقیہ ستائیس حدیث بھول گیا۔

(ان کے ترجمہ کے لئے دیکھو تاریخ ابن عساکر صفحہ ۴۴۲ ج ۱)

ابو زرعہ رازی

ولادت سنہ ۲۰۰ھ وفات سنہ ۲۶۴ھ

عبداللہ بن عبدالکریم ابو زرعہ رازی زبردست محدث اور بڑے فضل وکمال کے انسان تھے۔ جماعت محدثین میں آپ کا مقام بہت بلند ہے۔ امام احمد بن حنبل کے صحبت یافتہ اور ان کے علوم سے استفادہ کرنیوالے تھے خطیب لکھتے ہیں۔ کان اماما ربانیا متقنا حافظا مکثرا صادقا۔ امام ربانی متقن، اور حافظ حدیث، کثرت سے حدیث روایت کرنے والے اور صادق و راست باز تھے۔ امام ابو زرعہ کی قدر و منزلت اور علم میں ان کے پایہ بلند کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ امام احمد بن حنبل اپنی نفلی عبادتوں کو چھوڑ کر ان سے علمی مذاکرہ کیا کرتے تھے۔ امام احمد کے صاحبزادے عبداللہ کا بیان ہے کہ قال لی ابی یا بنیّ قد اعتضت بنوافلی مذاکرۃ ھذا الشیخ مجھ سے میرے والد نے کہا کہ میں نے اس شیخ سے مذاکرہ کو اپنی نفلی عبادتوں کے عوض اختیار کیا ہے اور ایک دفعہ عبداللہ نے اپنے والد کا ارشاد نقل کیا کہ ما صلیت غیر الفرض استاثرت بمذاکرۃ ابی زرعۃ علیٰ نوافلی میں نے صرف فرض نماز اختیار کیا ہے اور نفل کو چھوڑ کر ابو زرعہ سے مذاکرہ کرنا پسند کیا ہے۔

کثرت حدیث کا عالم یہ تھا کہ خود ابو زرعہ کا بیان ہے کہ میں نے دو آدمیوں سے دو لاکھ حدیث لکھی ہے ان میں سے ایک ابراہیم فرا ہیں اور دوسرے ابن ابی شیبہ عبداللہ ہیں۔ کتبت عن رجلین مائتی الف حدیث۔ کتبت عن ابراھیم الفراء مائۃ الف حدیث وعن ابی شیبہ عبداللہ مائۃ الف حدیث، اور نیز ان کا بیان ہے کہ مجھے صرف قرأت کے سلسلہ کی دس ہزار حدیث یاد ہے۔ امام احمد کا بیان ہے کہ صحیح احادیث سات لاکھ اور کچھ ہے اور ابو زرعہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ نوجوان چھ لاکھ احادیث کا

حافظ ہے۔

محدثین میں آپ کے مقام کا اندازہ اسحق ابن راہویہ کے اس بیان سے ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں کل حدیث لا یعرفہا ابوزرعۃ الرازی لیس لہ اصل۔ ہر وہ حدیث جس کے بارے میں ابوزرعہ کو علم نہ ہو اس کی کوئی اصل نہیں معلوم ہوا کہ ساری وہ حدیثیں جنکی کوئی اصل ہے انکو ابوزرعہ کو علم تھا۔

قوت حافظہ کا اندازہ اس سے لگایئے کہ فرماتے ہیں کہ مجھے دو لاکھ حدیث تو اس طرح یاد ہے جیسے کوئی قل ہو اللہ کی سورہ یاد رکھتا ہے قال ابوزرعۃ احفظ مائتی الف حدیث کما یحفظ الانسان قل ھو اللہ احد آپ کی قوت حافظہ اس طرح بڑھی ہوئی تھی کہ ایک دفعہ جو چیز کان میں پڑ گئی عمر بھر کے لئے محفوظ ہو گئی۔ خود فرماتے ہیں اِنّ فی بیتی ما کتبتہ منذ خمسین سنۃ ولم اطالعہ منذ کتبتہ وانی اعلم فی ای کتاب ھو فی ای ورقۃ ھو، فی ای صفحۃ ھو، فی ای سطر ھو یعنی میرے گھر میں وہ حدیثیں ہیں جنکو پچاس سال پہلے میں نے لکھا تھا اور اس وقت سے ابتک کبھی ان کے مطالعہ کا اتفاق نہیں ہوا۔ تاہم میں ان حدیثوں کے بارے میں جانتا ہوں کہ وہ کس کتاب میں ہیں، کس ورق اور کس صفحہ میں، اور صفحہ کی کس سطر میں ہیں فرماتے تھے کہ ما سمعت اذنی شیئا من العلم الا وعاہ قلبی، جو بات بھی علم کی میرے کان نے سنی اس کو میرے دل نے اچھی طرح محفوظ کر لیا اور اسی کا نتیجہ تھا کہ جب بازار سے گذرا کرتے تھے تو اپنے کانوں کو انگلیوں سے بند کر لیا کرتے تھے تاکہ اس میں لغو اور لایعنی باتیں نہ راہ پا سکیں۔ فرماتے ہیں انی کنت امشی فی سوق بغداد فاسمع من الغرف صوت المغنیات فاضع اصبعی فی اذنی مخافۃ ان یعیہ قلبی، یعنی میں بغداد کے بازار میں چلا کرتا تھا تو بالاخانوں سے گانیوالی عورتوں کی آوازیں آتی تھیں۔ میں اپنے کانوں کو انگلیوں سے بند کر لیتا تھا کہ مبادا کوئی چیز میرے کان میں پہونچ جائے اور دل میں محفوظ ہو جائے۔

ان کی قوتِ حفظ کا ایک دلچسپ واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ کسی نے ان کی کتاب عاریۃً مطالعہ کے لئے لی اور اس نے کتاب کی عبارتوں میں تصرف کر دیا، سندوں اور متنوں میں الٹ پھیر کر دیا، اور کتاب واپس کر دی۔ ابوزرعہ نے کتاب کو دیکھا تو انھیں

یہ تماشہ نظر آیا۔ وہ اس شخص کے پاس گئے اور اس کو بتلایا کہ تو نے فلاں فلاں مقام پر اسناد میں گڑبڑ مچائی ہے اور فلاں فلاں جگہ متن کی عبارت میں تصرف کیا ہے پھر اس کو تفصیل سے ہر سند کے بارے میں بتلایا کہ فلاں نام فلاں جگہ تھا تو نے یہاں کر دیا تو نے فلاں نام کو حذف کر کے فلاں نام کا اپنی طرف سے اضافہ کر دیا ہے غرض جو الٹ پھیر اس نے سند اور متن میں کیا تھا ایک ایک کو آپ نے اس کے سامنے شرح و بسط کے ساتھ بیان کر دیا اور پھر فرمایا جب سے میں نے اس کتاب کو نقل کیا ہے اسی وقت سے یہ ساری کتاب مجھے محفوظ ہے۔

(دیکھو تاریخ بغداد ترجمہ ابی زرعہ رازی صفحہ ۳۲۷ ج ۱۰ اور تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۱۲۴ ج ۲)

امام ترمذی

ولادت سـ ـ ـه   وفات سـ ۲۷۹ ـه

ابو عیسیٰ محمد ابن عیسیٰ بن سورہ سلمی ترمذی مشہور محدث، حافظ حدیث، صاحب فضل وکمال جامع اشتات بزرگ ہیں۔ ان کی جامع صحاح ستہ کی مشہور کتابوں میں سے ہے اور کچھ علمار کے یہاں اپنے فوائد میں اس کا مقام صحیحین سے بھی بلند ہے۔ اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ہر زمانہ کے علمار اور اصحاب درس و تدریس نے اس کتاب کے ساتھ ہمیشہ اعتنا کیا ہے۔

آپ نے قتیبہ ابن سعید ابو مصعب، ابراہیم بن عبد اللہ ہروی، اسماعیل بن موسیٰ اسدی، اور امام بخاری جیسے ائمہ فن سے حدیث سنی، بصرہ، کوفہ، واسط، رے خراسان اور حجاز میں جو اپنے زمانہ میں علوم دینیہ کے مرکز تھے۔ سالہا سال حدیث کی تحصیل کی اور علوم نبوت کے چشم صافی سے اپنی تشنگی علم کو سیراب کیا۔ خود نابینا تھے مگر علم کا شوق انھیں مشرق و مغرب کی سیر کرا رہا تھا اور ایک وقت آیا کہ آپ علم حدیث کے مسلم الثبوت امام تسلیم کر لئے گئے۔

آپ کی کتاب سے آپ کی جامعیت کا اندازہ لگتا ہے۔ اس کتاب کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ بقول آپ کے اس میں کوئی حدیث ایسی نہیں جس پر کسی زمانہ میں عمل نہ ہوا ہو اس کے علاوہ اس کتاب میں آپ کی فقاہت، اختلاف علمار سے واقفیت دقت نظر وغیرہ جیسی صفات و خصوصیات بہت نمایاں ہیں۔

امام ترمذی کی امامت فی الحدیث، ان کی رفعت مقام اور علم وفقہ میں بلندی، زہد و ورع، عبادات، تواضع وانکساری پر سب کا اتفاق کیا ہے۔ حاکم کا بیان ہے کہ میں نے عمر بن ملک سے فرماتے ہوئے سنا کہ بخاری کے انتقال کے بعد خراسان میں علم،

حفظِ حدیث، ورع اور زہد میں ترمذی جیسا دوسرا آدمی نہیں پیدا ہوا۔ گریہ اور خشیت کا
آپ پر غلبہ رہتا تھا، آنکھ سے آنسو جاری رہتا یہانتک کہ آپ کی نگاہ اس میں ختم ہو گئی۔
ابن حبان نے کتاب الثقات میں لکھا ہے کہ امام ترمذی ان لوگوں میں ہیں جنھوں نے
احادیث جمع کی تصنیف و تالیف بھی کی اور مذاکرہ بھی کیا۔

امام ترمذی کا حافظہ بھی بے نظیر تھا۔ لوگ ان کو قوتِ حفظ کی مثال میں پیش کرتے تھے
ابو سعید کہتے ہیں کان ابو عیسیٰ یضرب بہ المثل فی الحفظ یعنی امام ترمذی کے حافظہ کی مثال
دی جاتی تھی سمعانی کہتے ہیں احد الائمۃ الذین یقتدی بھم فی علم الحدیث وکان
یضرب بہ المثل فی الحفظ والضبط یعنی یہ ان ائمہ میں سے ہیں جنکی علم حدیث میں اقتدا
کی جاتی ہے اور ان کو حفظ و ضبط میں بطور مثال پیش کیا جاتا تھا۔

بعض محدثین نے ان کے حفظ کا امتحان لیا اور چالیس غیر معروف حدیثیں ان کے سامنے
پڑھیں۔ امام ترمذی نے ان سب کو ان کے سامنے اسی وقت دہرا دیا چنانچہ سب نے بیک کلمہ
کہا ہم نے آپ جیسا انسان نہیں دیکھا۔ ان کے قوتِ حافظہ کی ایک دلچسپ حکایت خود ان کی
زبانی سنئے۔ فرماتے ہیں کہ میں حج میں جا رہا تھا۔ میرے پاس ایک محدث کا دو جز پہلے سے
لکھا ہوا تھا اور خیال تھا کہ وہ دونوں جز میرے ساتھ ہی ہیں۔ اتفاق سے اس محدث سے
راستے میں ملاقات ہو گئی۔ میں نے ان سے درخواست کی کہ آپ مجھے اپنی حدیثیں سنا دیں انھوں
نے درخواست منظور کرلی۔ لیکن جب میں نے اپنے سامان میں مکتوبہ دونوں جز تلاش کیا
تو غلطی سے اس کی جگہ دو کاغذ رکھدیے گئے تھے۔ میں انھیں دو کاغذ کو لیکر شیخ کی خدمت
میں پہونچا اور ان سے حدیث سنانے کی درخواست کی۔ شیخ نے پڑھنا شروع کیا۔ اچانک
شیخ کی نگاہ میرے ان دونوں سادہ کاغذوں پر پڑی اور وہ غصہ سے چیخ پڑے اما
تستحیی منّی کیا تم کو مجھ سے شرم نہیں آتی ہے۔ تب میں نے ان سے حقیقت حال بیان
کی اور ان سے عرض کیا کہ اگرچہ وہ اجزا میرے پاس نہیں ہیں۔ مگر اسوقت جتنی حدیثیں آپ
نے بیان کی ہیں وہ سب مجھے یاد ہو چکی ہیں۔ شیخ نے کہا کہ پڑھ کر سناؤ۔ میں نے سب
سنا دیا۔ شیخ کو یقین نہیں آیا کہ میں نے یہ حدیثیں ابھی سنکر یاد کیا ہے اور کہا کہ تم نے
پہلے ہی سے یاد کیا ہوگا۔ میں نے کہا کہ آپ میرا امتحان کرلیں۔ انھوں نے دوسری چالیس بھی

حدیثیں اپنے مجموعۂ غرائب میں سے بیان کیں۔ میں نے اس کو بھی بلا کسی حرف کی غلطی کے جوں کا توں سنا دیا۔

نواب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں۔ "وایں قسم امتحان در بارۂ حفظ بارہا واقع شدہ۔ یعنی حفظ کے سلسلے میں اس قسم کا امتحان بارہا پیش آیا۔

(تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۱۸۷ ج ۲، اتحاف النبلاء صفحہ ۳۸، الانساب للسمعانی صفحہ ۴۳ ج ۳)

ابن ابی عاصم

وفات سنہ ۲۸۷ھ

ولادت ـــ

ابو بکر احمد بن عمرو النبیل ابو عاصم شیبانی مشہور محدث، امام حدیث، زاہد و عابد، اور اصبہان کے قاضی تھے۔ خلق کثیر سے حدیث سنی اور طلب حدیث میں دور دور کا سفر کیا امام ذہبی لکھتے ہیں کہ یہ صاحب تصانیف بزرگ ہیں۔ ابو نعیم کا بیان ہے کہ یہ ظاہر حدیث پر عمل کرتے تھے اور منکرین قیاس میں سے تھے۔ ان کی ساری کتابیں بصرہ میں ایک فتنہ کے درمیان ضائع ہو گئی تھیں لیکن قوتِ حفظ کا عالم یہ تھا کہ صرف حافظ کی مدد سے ۵۰ ہزار حدیث کو دوبارہ لکھوا دیا۔

ابن اعرابی کا بیان ہے کہ ان کو صرف شقیق بلخی کے ایک ہزار مسئلے یاد تھے اور وہ فقہ اور حدیث کے حافظ تھے۔

(تذکرہ صفحہ ۱۹۳ ج ۲)

حافظ جزرہ

ولادت سنہ ۲۰۵ وفات سنہ ۲۹۳

ابو علی صالح بن محمد بن عمرو بن حبیب اسدی اصلاً بغداد کے رہنے والے تھے پھر بخارا میں قیام کرلیا تھا۔ اساتذہ میں یحییٰ بن معین، امام احمد بن حنبل اور ان کے طبقہ کے مشائخ حدیث ہیں۔ حجاز، شام، مصر، خراسان، اور ماوراء النہر کے شیوخ ومحدثین سے استفادہ کیا۔

آپ کے مشہور تلامذہ میں امام مسلم ہیں۔ حافظ دارقطنی فرماتے ہیں۔ کان ثقۃ حافظا عارفًا۔ ثقہ، حافظ حدیث اور عارف کتاب وسنت تھے۔ ابو سعید ادریسی کا بیان ہے کہ میں نے عراق وخراسان میں کہیں بھی حفظ حدیث میں ان کی مثال نہیں دیکھی۔ خراسان میں ایک مدت مدیدہ تک انھوں نے زبانی حدیث کا درس دیا۔ لیکن مجھے علم نہیں کہ کبھی ان کی کوئی غلطی پکڑی گئی ہو۔

خطیب کا بیان ہے کہ حدث دھراً من حفظہ وہ ایک زمانہ تک اپنے حفظ سے حدیث بیان کرتے رہے اور فرماتے ہیں کہ لم یستصحب معہ کتابًا اپنے ساتھ کوئی کتاب نہیں رکھتے تھے۔

محدثین ان کو ثقہ اور صدوق کہتے ہیں۔ ابن عدی ان کا نام بڑی عظمت سے لیتے اور ان کی بڑی تعظیم کرتے تھے۔

(تذکرہ صفحہ ۱۹۴ ج ۲)

محمد بن جریر طبری

وفات سنہ ۳۱۰

ولادت سنہ ۲۲۵

محمد بن جعفر ابو یزید ابو جعفر طبری مشہور مورخ اور مفسر ہیں ان کی تاریخ و تفسیر کو آفاقی شہرت حاصل ہے۔ یہ دونوں کتابیں اپنے اپنے فن میں بے نظیر ہیں۔ ہر زمانہ میں علماء نے ان کو اپنا ماخذ و مرجع بنایا ہے اور تصنیف و تالیف میں اس پر اعتماد کیا ہے خطیب کہتے ہیں کہ ولہ الکتاب المشہور فی تاریخ الامم والملوک وکتاب فی التفسیر لم یصنف احد مثلہ یعنی اقوام و سلاطین کی تاریخ میں ان کی مشہور کتاب ہے اور تفسیر میں بھی ایک کتاب۔ یہ وہ کتابیں ہیں کہ کسی اور نے اس طرح کی تصنیف نہیں کی۔

تاج الدین سبکی ان کا تذکرہ ان کلمات سے شروع کرتے ہیں الامام الجلیل المجتہد ابو جعفر الطبری من اھل طبرستان احد ائمۃ الدنیا علما و دینا۔ امام جلیل مجتہد مطلق ابو جعفر طبری طبرستان کے تھے اور علم و دین میں دنیا کے اماموں میں سے ایک تھے۔

حصول علم کے لئے اطراف عالم کا سفر کیا۔ محمد بن عبد الملک، اسحق، ابن ابی اسرائیل، اسماعیل بن موسیٰ فزاری، ابو کریب، ہناد بن سری، ولید بن شجاع، احمد بن منیع، محمد بن حمید رازی، یونس بن عبد الاعلیٰ اور ان کے سوا ایک خلق کثیر سے حدیث سنی،

تلامذہ کی بھی بڑی تعداد ہے۔ ابو شعیب حرانی، مخلد باقرحی، عبد الغفار حیلبی، ابو عمرو بن حمدان، احمد بن کامل، اور ان کے علاوہ ایک بڑی جماعت ان کے تلامذہ اور مستفیدین کی ہے علم و فضل میں اپنے زمانہ میں احاد عالم اور افراد علماء میں سے تھے۔ ابن خزیمہ نے ان کی تاریخ کا مطالعہ کر کے فرمایا تھا ما اعلم علی ادیم الارض اعلم من محمد بن جریر و لقد ظلمتہ الحنابلۃ ما یعنی زمین پر محمد بن جریر سے بڑا عالم میرے علم میں نہیں ہے۔ حنابلہ نے

نے ان پر بڑا ظلم کیا۔

آپ کی تصانیف حدیث، تفسیر، فقہ، اصول فقہ میں کثرت سے ہیں۔ اور ایک ایک تصنیف کئی کئی جلدوں میں ہے۔ طبقات میں سبکی نے ان کی تصانیف میں سے کچھ کا تذکرہ کیا ہے۔

سرعتِ کتابت کا یہ عالم تھا کہ روزانہ چالیس ورق لکھا کرتے تھے، عبدالغفار لغوی کا بیان ہے کہ اِنَّ محمد بن جریر مکث اربعین سنۃ یکتب فی کلِّ یوم ولیلۃ اربعین ورقۃ یعنی محمد ابن جریر مسلسل چالیس سال تک روزانہ شب و روز میں چالیس ورق لکھا کرتے تھے۔

ابو محمد فرغانی کا بیان ہے کہ ان کی وفات کے بعد تلامذہ کی ایک جماعت نے جب ان کے لکھنے کا ایک اندازہ لگایا تو بلوغ سے لیکر وفات تک روزانہ چودہ ورق پڑتے تھے۔

ان کی تفسیر کس پایہ کی ہے اس کا اندازہ احمد بن ابی طاہر ابو حامد اسفرائینی کے اس بیان سے ہوتا ہے فرماتے ہیں۔ لو سافر رجل الی الصین حتّٰی یحصل لہٗ کتابُ تفسیرِ محمد بن جریر لم یکن ذالک کثیراً یعنی اگر ابن جریر کی تفسیر حاصل کرنے کے لیے چین تک بھی کوئی سفر کرے تو یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔

امام طبری نے جب اس تفسیر کے لکھنے کا ارادہ کیا تو ان کا اندازہ تھا کہ یہ تفسیر تیس ہزار صفحات میں پوری ہوگی لیکن شاگردوں کی ہمتیں پست تھیں۔ اس وجہ سے صرف تین ہزار صفحات میں اس کو مکمل کیا۔ بغدادی کی تاریخ میں قصہ لکھا ہے کہ ابو جعفر طبری نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ اگر تم لوگ آمادہ ہو تو میں تفسیر میں ایک کتاب لکھوا دوں، شاگردوں نے پوچھا اس کی ضخامت کا کیا اندازہ ہے، فرمایا تیس ہزار صفحات، شاگردوں نے سنکر کہا یہ تو ساری عمریں ختم ہو جائیں گی اور پوری ہونے سے رہی۔ پھر امام طبری نے اسے تقریباً تین ہزار صفحات میں تمام کیا۔ پھر پوچھا کہ کیا تم لوگ تیار ہو کہ تاریخ میں ایک کتاب املا کرادوں جس میں حضرت آدم سے لیکر ابتک کے واقعات کا ذکر ہوگا لوگوں نے کہا کہ اس کا کیا اندازہ ہے تو انھوں نے اس کی ضخامت کا اندازہ وہی بتلایا جو تفسیر کا تھا تو شاگردوں کا جواب بھی وہی تھا جو تفسیر کے سلسلے میں دے چکے تھے امام طبری نے ان کا یہ جواب سنکر فرمایا اناللہِ ماتت الھمم یعنی اناللہ ہمتیں مردہ

ہوگئیں۔

قوتِ حافظہ کا یہ عالم تھا کہ آپ نے اپنی تفسیر کا زبانی املا کرایا تھا۔ سات سال میں یہ تفسیر پوری ہوئی تھی۔ تقریباً تین ہزار صفحات کی یہ تفسیر ہے۔ اس میں طبری احادیث کثرت سے ذکر کرتے ہیں۔ اور جو حدیث ذکر کرتے ہیں اس کی سند بھی بیان کرتے ہیں۔ لیکن قوتِ حفظ کا یہ کرشمہ اور علم کی یہ برکت ہے کہ یہ تفسیر آپ کے قلم کا ایسا زندہ شاہکار ہے جس کے ہر زمانہ میں علماء محتاج رہے ہیں۔

اسی طرح تاریخ میں آپ کی جو کتاب ہے اس کو بھی آپ نے املا ہی کرایا ہے۔ اس کے باوجود یہ کتاب فن تاریخ میں اساسی حیثیت رکھتی ہے اور بعد میں سارے مورخوں کا زیادہ تر دار و مدار آپ ہی کی تاریخ پر ہے۔

وسعتِ علم کے ساتھ ساتھ زہد و عبادت، ورع اور تقویٰ، خوف و خشیت، استغنا اور توکل، امرا اور سلاطین کی صحبت سے نفور، اور دوسرے محاسنِ اخلاق میں بھی اپنے زمانہ کے یگانۂ روزگار تھے۔

فن قرات میں بھی بڑا اونچا مقام تھا نہایت درجہ خوش الحان تھے۔ لوگ حلقۂ درس سے اٹھ اٹھ کر ان کی قرات سنا کرتے تھے اور وجد کیا کرتے تھے۔

ان کے زمانہ کے حنابلہ نے ان کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کیا۔ جسکی وجہ سے بعض دفعہ انکو تنگی بھی پیش آئی۔ مگر انھوں نے اپنا وقت ان سے چھیڑ چھاڑ میں ضائع کرنیکے بجائے تصنیف و تالیف میں اس طرح لگایا کہ ابنائے زمانہ سے ان کا واسطہ بہت کم رہا۔

انتقال کے وقت جنازہ میں اس کثرت سے لوگ تھے جن کا شمار ممکن نہیں تھا۔ کئی ماہ شب و روز ان کی قبر پہ نماز پڑھی جاتی رہی۔

(تاریخ بغداد صفحہ ۱۶۲، طبقات سبکی صفحہ ۱۳۵ ج ۲، تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۲۵۱ ج ۲)

ابن خُزیمہ

ولادت ۲۲۳ھ　　　　　　　　وفات ۳۱۱ھ

ابو بکر بن محمد بن اسحٰق بن خزیمہ نیشاپوری جلیل القدر محدث، امام حدیث، اور صاحب تصانیف بزرگ ہیں۔ بچپن ہی سے علم حدیث کا شوق تھا۔ نیشاپور خود علوم دینیہ کا مرکز تھا ائمہ اور فضلاء کی کثرت تھی۔ علم و ادب کے اس ماحول نے ان کے اس شوقِ علم کو مزید جلا دی، علمائے وقت سے استفادہ کیا۔ کبار محدثین سے حدیث سنی، اسحٰق بن راہویہ محمود بن غیلان، عتبہ بن عبداللہ حمیدی وغیرہ آپ کے اساتذہ میں سے ہیں۔ تلامذہ میں امام بخاری، امام مسلم، محمد بن عبداللہ، احمد بن مبارک، ابراہیم ابن ابی طالب، ابو علی نیشاپوری جیسے مشاہیر اہلِ فضل و کمال ہیں۔

ذہبی کا بیان ہے کہ انتہت الیہ الامامۃ والحفظ فی عصرہٖ یعنی ان کے زمانہ میں امامت فی العلم اور حفظ حدیث کی ان پر انتہا تھی۔ عبدالرحمٰن بن ابی حاتم سے ان کے بارے میں لوگوں نے سوال کیا تو انھوں نے کہا کہ ہم جیسے کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے۔ ان جیسے لوگوں کے بارے میں نہیں۔ وہ تم میں امام ہیں جن کی اقتدا کی جاتی ہے۔ حافظ ابو علی حُسین بن محمد کا بیان ہے کہ میں نے محمد بن اسحٰق جیسا محدث نہیں دیکھا۔ ابو حاتم محمد بن حبان کا بیان ہے کہ میں نے روئے زمین پر ابن خزیمہ کے سوا کسی اور کو صنعتِ حدیث کا اس خوبی سے جاننے والا نہیں دیکھا۔ الفاظ حدیث کو جس خوبی سے یاد رکھتے تھے کوئی دوسرا اس طرح یاد رکھنے والا نہیں تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ساری حدیثیں ان کی نگاہ کے سامنے ہیں۔ دار قطنی فرماتے ہیں کہ ابن خزیمہ امام ثبت اور معدوم النظیر تھے۔ ذہبی نے ان کو امام الائمہ کہا ہے۔ سبکی نے ان کی شان میں نہایت بلند کلمات استعمال کئے ہیں ان کو مجتہد مطلق کہا ہے۔ ربیع بن سلیمان جو ان کے استاد ہیں فرماتے ہیں کہ ہم سے ابن خزیمہ نے اتنا استفادہ نہیں کیا۔ جتنا ہم نے

ان سے کیا ہے۔ حدیث کی گہرائی میں ڈوب کے عجیب باریک نکتے پیدا کرنے میں آپ کو خاص طور پر کمال تھا۔ فرماتے تھے کہ صحیح حدیث کے بعد کسی کا دغریب تحقیقات سے اہل علم کو محظوظ کرتے تھے۔

قول معتبر نہیں۔

اپنے زمانہ کے کثیر التصانیف بزرگوں میں ان کا شمار ہے۔ سبکی نے حاکم سے نقل کیا ہے کہ ان کی تصانیف مسائل کے مستقل رسالوں کے علاوہ ایکسو چالیس سے زیادہ تھی۔ مسائل جو مدون تھے ان کی تعداد ایک سو جزو سے زیادہ تھی۔

ان کی مسند حدیث کی مشہور کتابوں میں سے ہے۔ ان کا دستور تھا کہ جب کسی تصنیف کا ارادہ کرتے تو پہلے استخارہ کر لیتے اگر دل میں بات جم جاتی تو اس کتاب کو شروع کرتے۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ کو یہ علم کیسے حاصل ہوا تو فرمایا کہ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ زمزم کا پانی جس نیت وارادہ سے پیا جاتا ہے وہ چیز اسے حاصل ہوگی۔ میں نے جب زمزم کا پانی پیا تو اللہ سے علم نافع کی دعا مانگی۔

ذہبی اور سبکی کا بیان ہے کہ ان کو ستر ہزار حدیث یاد تھی۔ فرماتے تھے کہ جو کچھ میں نے لکھا وہ سب میرے علم میں ہے۔ ابو علی نیشاپوری کا بیان ہے کہ ابن خزیمہ کو فقہ والی حدیثیں ایسی یاد تھیں جیسے قاری کوئی سورت یاد رکھتا ہو۔

حدیث وسنت کے خلاف کوئی کام کرنا ان کی طبیعت کے خلاف تھا۔ اس معاملہ میں وہ انتہائی متشدد تھے۔ ابو عمرو بن اسمٰعیل کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں ابن خزیمہ کی مجلس میں تھا۔ انھوں نے مجھ سے قلم مانگا۔ میرا داہنا ہاتھ روشنائی سے سیاہ ہو رہا تھا۔ میں نے قلم کو بائیں ہاتھ سے دیا۔ انھوں نے قلم نہیں لیا۔ جب میں نے داہنے ہاتھ سے دیا تو لے لیا۔ یہ بظاہر ایک معمولی واقعہ ہے مگر اس میں علمار سلف کی پوری زندگی کا نقشہ آگیا۔ اللہ اللہ ایک وہ بھی زمانہ تھا کہ معمولی معمولی کام میں بھی سنتوں کی رعایت اور اہتمام کا یہ عالم تھا آج ہم سنتوں سے اتنا ہی دور ہوتے جا رہے ہیں جتنا ہمارے سلف اس سے قریب تھے۔

امام بن خزیمہ کا مقام بلند اور مقبولیت عامہ بعض لوگوں کیلئے بار خاطر بنی۔ اور آپ کو آخر زمانہ میں اہل زمانہ کے ہاتھوں کچھ پریشانیاں اٹھانی پڑیں۔ اس مختصر میں

اس کی تفصیل کی گنجائش نہیں۔

ذہبی نے تذکرہ میں اس کی تفصیل دی ہے۔

(تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۲۵۹ ج ۲، طبقات سبکی صفحہ ۱۳۰ ج ۲)

محمد بن محمد بن سلیمان باغندی

وفات ۳۱۲ھ

ولادت سنہ

محمد بن محمد بن سلیمان بن الحارث بن عبدالرحمن سلسلۂ نسب ہے۔ ابوبکر لقب ہے اور باغندی سے مشہور ہیں۔

ان کے مشاہیر شیوخ میں محمد بن عبداللہ بن نمیر، ابن ابی شیبہ، شیبان بن فروخ، اور علی بن المدینی کا نام لیا جاتا ہے۔ ابن کثیر کے قول کے مطابق شام، مصر، کوفہ، بصرہ، بغداد کے مشائخ حدیث کی ایک جماعت کثیرہ سے اخذِ حدیث کیا ہے۔

علم کا شوق جب قلب میں موجزن ہوا تو امصار، و بلاد کا بیشتر حصہ ان کے نقش پا کا ممنونِ احسان ہوا اور طویل مسافتوں کو ذوق و شوق کی نشو و نشاط نے آسان کر دیا۔ بقول ابن کثیر رحل الی الامصار البعیدۃ یعنی دور دور شہروں کا سفر کیا۔

پوری زندگی حدیث ہی کے مشغلہ میں گذر گئی۔ حدیث کے ساتھ ان کا اشتغال اس درجہ کا تھا کہ بعض لوگوں کو کہنا پڑا اشتغل فیہ فافرط یعنی اتنا اشتغال رہا کہ افراط کی حد تک پہونچ گیا۔ حدیث کی کثرتِ مزاولت کا نتیجہ تھا کہ بسا اوقات بلا اختیار نماز میں بلکہ حالتِ نوم میں بھی سندوں کے ساتھ مسلسل دیر تک حدیث بیان کرتے چلے جاتے تھے اور اس کا احساس تک نہیں ہوتا تھا کہ وہ نماز میں ہیں۔ فکانوا یسبحون بہ حتی یتذکر انہ فی الصلوٰۃ یعنی لوگوں کو سبحان اللہ کہنا پڑتا تھا تاکہ انھیں پتہ چلے کہ وہ نماز میں ہیں۔

باغندی فرمایا کرتے تھے کہ میں تین لاکھ حدیث کے بارے میں ہر طرح کے سوال کا جواب دے سکتا ہوں۔ یعنی تین لاکھ حدیثیں ان کو اس طرح یاد اور مستحضر تھیں کہ جب کوئی چاہے ان سے متن، سند اور اسکی علتوں کے بارے میں ان سے سوال کرے۔

بعض محدثین نے ان کو مجروح قرار دیا ہے۔ دارقطنی نے ان پر تدلیس بلکہ سرقہ تک کا الزام لگایا ہے۔ ابن کشیر کا بیان ہے قال الدا ادقطنی ھو کشیر التدلیس یحدث بما لم یسمع ورّبما یسرق بعض الاحادیث،

(دیکھو البدایہ والنہایہ ترجمہ باغندی صـ ۱۵۲ ج ۱۱)

محمد بن اسحٰق السّراج

ولادت ۲۱۶ھ وفات ۳۱۳ھ

ابو العباس محمد بن اسحٰق نیشاپوری حافظ حدیث اور امام تھے۔ قتیبہ بن سعد، اسحٰق ابن راہویہ اور محمد بن بکار وغیرہ سے حدیث سنی۔ بخاری و مسلم اپنی صحیحین میں ان سے روایت کرتے ہیں۔ ابو حاتم، ابن ابی دنیا، ابو عمرو سماک، ابو اسحٰق مزنی وغیرہ آپ کے شاگرد ہیں۔

سراج کہے جانے کی وجہ معلوم نہ ہو سکی۔ غالب گمان یہ ہے کہ چراغ بنانے کا کام انھوں نے کیا ہوگا۔ یا خاندان میں ہوتا رہا ہوگا۔

قوتِ حفظ کی دولت سے مالا مال تھے۔ ایک دفعہ ایک الماری کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس الماری میں صرف امام مالک سے ستر ہزار مسئلے ہیں۔ لیکن جب سے میں نے لکھا ہے ایک دفعہ بھی اس کی مراجعت کی ضرورت نہیں پڑی اور نہ مجھے اسوقت سے آج تک اس کے گرد و غبار صاف کرنے کا موقعہ ملا۔

امام ذہبی کا بیان ہے کہ یہ بڑے مالدار اور صاحب ثروت انسان تھے۔ ان کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ بارہ ہزار مرتبہ آنحضورؐ کے نام سے قرآن کا ختم کیا تھا اور بارہ ہزار ذبیحہ آپؐ کے نام سے قربان کیا تھا۔

(تذکرہ صفحہ ۱۶۸ ج ۲، طبقات الشافعیہ صفحہ ۱۲۹ ج ۲)

عبداللہ بن سلیمان بن الاشعث

ولادت سنہ ۲۳۰ وفات سنہ ۳۱۶

عبداللہ بن سلیمان بن اشعث ابو بکر بن ابی داؤد سجستانی دنیائے علم حدیث کی ایک عظیم الشان شخصیت اور جلیل القدر محدث تھے۔ ان کو لیکر ان کے والد نے اطرافِ عالم کا طلبِ حدیث کیلئے سفر کیا۔ اس وقت کے مشاہیر ائمہ حدیث سے ان کو حدیثیں سنوائیں خراسان، اصفہان، فارس، بصرہ، بغداد، کوفہ، مکہ، مدینہ، شام، مصر، جزیرہ، اور سجستان کے علماء کے درس میں حاضر ہوئے اور ان سے حدیثیں لکھیں۔ پھر بغداد میں سکونت اختیار کرلی،

بغداد میں رہ کر آپ نے متعدد بلند پایہ کتابیں مسند، سنن، تفسیر، قرأت، ناسخ منسوخ وغیرہ تصنیف کیں۔

علماء اور مشائخ حدیث نے ان کے علم کا اعتراف کیا۔ ابوالفضل صالح بن احمد کہتے ہیں کہ عبداللہ بن سلیمان عراق کے امام اور امصار و بلاد میں علم کے پہاڑ تھے۔ ان کے زمانہ میں عراق مشائخ اور اصحاب فضل وکمال سے بھرا ہوا تھا لیکن جو فضل وکمال ان کو حاصل تھا کسی اور کو حاصل نہیں تھا۔ وہ بلغوا فی الآلۃ والاتقان ما بلغ ھو۔ علم اور علم کی پختگی میں جہاں یہ پہونچے وہاں تک کسی دوسرے کی رسائی نہ ہوسکی۔

آپ کا حافظہ حیرت انگیز تھا۔ تیس تیس ہزار حدیثیں ایک مجلس میں اپنے حفظ سے آپ سنادیا کرتے تھے۔ آپ کی قوتِ حفظ سے عام طور سے لوگ واقف تھے۔ اقامتِ بغداد کے زمانہ میں ایک دفعہ سجستان آپ کا جانا ہوا لوگوں نے آپ سے احادیث سنانے کی درخواست کی آپ نے فرمایا میرے پاس کتاب نہیں ہے اس پر لوگوں نے ازراہِ تعجب کہا ابن ابی داؤد کتاب؟ ابن ابی داؤد کو کتاب کی کیا ضرورت ہے۔ ابن سلیمان کا بیان ہے کہ

لوگوں کے جوش دلانے سے میں نے اپنے حفظ سے تیس ہزار احادیث کا املا اسی مجلس میں کرا دیا۔

اسی طرح کا ایک واقعہ اصبہان میں بھی پیش آیا تھا وہاں بھی انھوں نے ایک ہی مجلس میں تیس ہزار احادیث کا املا کرا دیا تھا۔ جس میں صرف چھ حدیثوں میں لوگوں کو وہم اور شبہ تھا لیکن خود ان کا بیان ہے کہ جب میں نے عراق واپس آکر اپنی کتاب دیکھا تو پانچ حدیث تو اسی طرح تھیں جیسے میں نے بیان کیا تھا ایک حدیث میں مجھے وہم ہوگیا تھا۔

ان کے طلبِ علم کے ذوق کا اندازہ مندرجہ ذیل خود ان کے بیان سے لگائیے۔ فرماتے ہیں کہ میں کوفہ آیا میرے پاس صرف ایک درہم تھا۔ اس سے میں نے تیس مد باقلا خریدا۔ اس میں میں روزانہ ایک مد کھاتا تھا اور ابو سعید اشج سے ایک ہزار حدیث لکھتا تھا۔ جب مہینہ پورا ہوا تو میں تیس ہزار حدیث لکھ چکا تھا۔ یہ اس زمانہ کے ائمہ اور مشائخ کا ذوق علم تھا۔

(دیکھو تاریخ خطیب ترجمہ ابی بکر بن ابی داؤد جلد ۹)

محمد بن عمرو عقیلی ابو جعفرؒ

وفات ۳۲۲ھ

ولادت ــــ

مشہور محدث اور امام حدیث ہیں۔ فن رجال میں خصوصی ملکہ تھا۔ آپ کی کتاب "کتاب الضعفاء الکبیر" رجال میں مشہور کتاب ہے۔ اور حدیث سے دلچسپی رکھنے والوں کیلئے بہترین تحفہ۔

محدثین میں آپ کو امتیازی مقام حاصل تھا۔ کثیر التصانیف تھے۔ حفظ میں مشہور تھے۔ محدثین اپنی مولفات ان کے پاس لیجاتے اور یہ ان میں جو خامیاں ہوتیں اس سے ان کو آگاہ کرتے۔ مسلمہ بن قاسم فرماتے ہیں۔

کان العقیلی جلیل القدر عظیم الخطر ما رایت مثلہٗ وکان کثیر التصانیف
عقیلی جلیل القدر اور عظیم الشان محدث تھے۔ میں نے ان جیسا نہیں دیکھا۔ نیز کثیر التصانیف تھے۔

قوتِ حفظ کا عالم یہ تھا کہ محدثین کتابوں کو پڑھتے اور یہ اس کی غلطیاں بتلاتے جاتے۔ حافظ ابو الحسن قطان کہتے ہیں۔

ابو جعفر ثقۃ جلیل القدر، عالم بالحدیث، متقدم فی الحفظ یعنی ابو جعفر ثقہ جلیل القدر، عالم بالحدیث، اور حفظ حدیث میں متقدم ہیں۔

(دیکھو ان کے مزید حالات کیلئے تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۵۰ ج ۳)

محمد بن قاسم ابو بکر بن الانباری

ولادت ۲۷۰ھ وفات ۳۲۸ھ

کثیر التصانیف اور عظیم المرتبت حافظ حدیث تھے۔ ہر فن میں کامل عبور تھا خصوصًا نحو و ادب میں ان کا مقام بہت بلند تھا۔ ذہبی فرماتے ہیں کہ کان من افراد الدھر فی سعۃ الحفظ مع الصدق و الامانۃ یعنی صدق و امانت کے ساتھ سعتِ حفظ میں یکتائے روزگار تھے۔

تلامذہ میں دار قطنی، ابن حیویہ، احمد بن نصر، عبدالواحد بن ابی ہاشم جیسے لوگ ہیں۔ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں علوم القرآن، غریب الحدیث، مشکل الحدیث، وقف و ابتدا جیسے مشکل موضوعات پر آپ کے قلم سے متعدد نادر کتابیں وجود میں آئی ہیں۔ ان کی ایک کتاب کا نام کتاب الاضداد ہے امام ذہبی فرماتے ہیں کبیر جدًا یعنی بہت بڑی کتاب ہے۔ ایک دوسری کتاب شرح الکافی ہے جو ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔

حفظِ حدیث میں آفاقی شہرت کے مالک تھے۔ ابو علی اسماعیل بن القاسم فرماتے ہیں کان ابوبکر الانباری یحفظ فیما ذکر ثلثمائۃ الف بیت شاھد فی القرآن۔ یعنی ابن الانباری جیسا کہ ذکر کیا گیا تین لاکھ اشعار قرآن کے شاہد کے طور پر یاد رکھتے تھے عادت یہ تھی کہ احادیث کا املا ہمیشہ زبانی کراتے تھے۔ ابو علی بصری سے روایت ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ میں نے متعدد لوگوں سے سنا کہ ابن الانباری کتابوں سے املا نہیں کراتے تھے۔ اور یہی ان کی عادت ہر علم و فن میں تھی۔ لوگوں کا بیان ہے کہ ما املیٰ قط من دفتر یعنی کاپی سے انھوں نے کبھی املا نہیں کرایا۔

حمزہ بن محمد فرماتے ہیں۔

ابن الانباری اپنی تصنیف کردہ کتابوں کا زبانی املا کراتے تھے۔ اور اسی طرح اپنی ان

مجالس میں بھی زبانی ہی املا کرانے کی عادت تھی جس میں حدیث، اخبار، تفسیر، اور اشعار کا درس ہوتا۔

محمد بن جعفر تمیمی حموی فرماتے ہیں کہ میں نے ابن الانباری سے زیادہ قوی الحفظ اور غزیر العلم کسی اور کو نہیں دیکھا۔

لوگوں نے ایک دفعہ ان سے پوچھا کہ آپ کی محفوظات کی تعداد کتنی ہے تو انھوں نے فرمایا کہ مجھے تیرہ صندوق کتابیں یاد ہیں۔ محمد بن جعفر فرماتے ہیں ھذا لا یحفظ لاحد قبلہ ولا بعدہٗ یعنی اسقدر محفوظات نہ پہلے کسی کیلئے تھیں نہ بعد میں۔

لوگوں کا بیان ہے کہ ایک سو بیس تفسیر کی کتابوں کے آپ زبانی حافظ تھے۔ اور یہ ساری کتابیں سندوں کے ساتھ محفوظ تھیں۔

محمد بن جعفر فرماتے ہیں کہ ان کے انتقال کر جانے پر ہمیں ان کی بہت کم کتابیں دستیاب ہوئیں وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے حفظ سے املا کراتے تھے۔ غریب الحدیث کا املا کرایا جسکے پینتالیس ہزار صفحات تھے۔ شرح الکافی کا املا کرایا جس کے ایک ہزار صفحات تھے۔ کتاب الھاءات کا املاء کرایا اس کے صفحات بھی ایک ہزار تھے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی کتابوں کا املا کرایا جس میں سب سے ضخیم کتاب کتاب الاضداد تھی۔

بغیۃ الوعاۃ للسیوطی میں ہے کہ ایک دفعہ یہ بیمار ہوئے تو ان کے والد بہت پریشان تھے ان کے تلامذہ ان کی عیادت کو گئے اور والد کی پریشانی کو دیکھ کر ان کو تسلی دی۔ ان کے والد نے فرمایا کہ مجھے پریشانی کیوں نہ ہو اور پھر ایک الماری کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ جتنی کتابیں اس الماری میں ہیں یہ سب ان کو یاد ہیں۔

ابن کثیر فرماتے ہیں کہ کان من بحور العلم فی اللغۃ والعربیۃ والتفسیر والحدیث ہ یعنی لغت، عربیت، اور تفسیر و حدیث میں علم کا سمندر تھا اور فرماتے ہیں کان اعلم الناس بالنحو والادب واکثرھم حفظا وکان لہٗ من المحافیظ مجلدات کثیرۃ واحمال جمال ۵

نحو و ادب کو سب سے زیادہ جاننے والے اور سب سے زیادہ محفوظ رکھنے والے تھے۔ ان کی محفوظات کتابیں کئی اونٹوں کے برابر تھیں۔

ابن کثیر کا بیان ہے کہ انھوں نے کتاب الرویا ایک رات میں یاد کرلی تھی اور ہر ہفتہ دس ہزار ورق یاد کرلیا کرتے تھے۔

اس علمی فضیلت و بزرگی کے ساتھ ساتھ آپ نہایت درجہ عابد وزاہد، متواضع اور منکسر المزاج تھے۔ تواضع کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ آپ نے دوران املا ایک نام کا غلط املا کرادیا۔ اسی مجلس میں دارقطنی بھی تھے۔ مجلس ختم ہونے پر انھوں نے شیخ کو متنبہ کیا۔ دوسرے روز شیخ نے بھری مجلس میں اعلان کیا کہ مجھسے فلاں نام کے املا میں غلطی ہوگئی ہے اور اس پر اس نوجوان دارقطنی نے مجھے مطلع کیا۔ ہم نے اصل سے مراجعت کی تو نوجوان کی بات کو صحیح پایا۔

اپنے حفظ کی حفاظت کی خاطر آپ برف کا پانی استعمال نہیں کرتے تھے اور پانی عموماً صرف عصر کے قریب پیتے تھے۔

(تاریخ بغداد صفحہ ۱۸۱ ج ۳، بغیۃ الوعاۃ صفحہ ۹۱، تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۵۷ ج ۳، البدایہ صفحہ ۱۹۶ ج ۱۱)

احمد بن محمد ابو العباس بن عقدہ

ولادت سنہ ۲۴۹ھ — وفات سنہ ۳۳۲ھ

اپنے زمانہ میں زبردست محدث اور عالم آثار و اسانید تھے۔ کثرتِ حفظ میں اپنے اقران پر فائق تھے۔ ذہبی ان کو حافظ العصر اور محدث البحر کہتے ہیں۔ خطیب کہتے ہیں وکان حافظاً عالماً مکثراً جمع التراجم والابواب والمشیخۃ حافظ، عالم اور کثیر الاحادیث تھے۔ تراجم، ابواب اور مشائخ کے جامع تھے۔ اونچے اور بلند پایہ محدثین نے ان سے تلمذ اختیار کیا ہے جیسے ابو بکر بن جعابی، عبداللہ بن عدی الجرجانی، ابو القاسم طبرانی، محمد بن مظفر اور ابو الحسن دار قطنی وغیرہ۔

وطن ان کا کوفہ تھا۔ عقدہ ان کے والد کا لقب تھا۔ نحو و صرف کے مسائل سے خوب واقف تھے اور پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل حل کرنے میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ اسی وجہ سے ان کو لوگوں نے عقدہ لقب دیدیا۔

امام دار قطنی فرماتے ہیں کہ ابن مسعود کے زمانہ سے ابن عقدہ کے زمانہ تک ان سے بڑا حافظ حدیث کوئی دوسرا نہیں گذرا۔ ابو علی حافظ کا قول ہے کہ کوفہ والوں کی حدیث کا ان سے بڑا کوئی حافظ نہیں ہے

آپ کا حافظہ رشکِ زمانہ تھا فرماتے تھے کہ میں تین لاکھ احادیث صرف اہل بیت سے روایت کرتا ہوں۔ ایک دفعہ لوگوں نے کہا ابو العباس آپ کی کثرتِ روایت کا بہت چرچا ہے اور لوگوں میں مشہور ہے کہ آپ کے پاس حدیث کا کافی ذخیرہ ہے اور یہ سب حدیثیں آپ کو محفوظ ہیں۔ فرمایئے کہ آپ کو کتنی حدیثیں یاد ہیں؟ ابتداءً آپ خاموش رہے۔ لیکن لوگوں کا اصرار جب بڑھا تو فرمایا کہ میں ایک لاکھ احادیث متن اور سند کے ساتھ یاد رکھتا ہوں۔ اور تین لاکھ احادیث کا مذاکرہ کرتا ہوں۔ ایک دفعہ اس طرح کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ مجھے

اسانید اور متون کے ساتھ ڈھائی لاکھ حدیثیں یاد ہیں اور اسانید، متون اور مقاطیع، سب ملا کر میں چھ لاکھ احادیث کا مذاکرہ کرتا ہوں۔

دارقطنی فرماتے تھے کہ دوسروں کے پاس جو حدیثیں ہیں اسے ابن عقدہ جانتے ہیں لیکن جو حدیث ابن عقدہ کے پاس ہیں اس سے دوسرے واقف نہیں۔

امام ذہبی فرماتے ہیں کان الیہ المنتھی فی قوۃ الحفظ وکثرۃ الحدیث کہ قوت حفظ اور حدیث کی کثرت آپ پر ختم تھی۔

آپ کا کتبخانہ نہایت عظیم الشان اور قیمتی کتابوں پر مشتمل تھا۔ لوگوں کا بیان ہے کانت کتبہٗ ستمائۃ حمل یعنی چھ سو سواری کے بوجھ کے برابر آپ کی کتابیں تھیں۔

لوگوں نے لکھا ہے کہ ان کا شمار اہل تشیع میں ہے اور بعضوں نے ان کو وضع حدیث کے الزام میں بھی متہم کیا ہے۔ لیکن حافظ ذہبی فرماتے ہیں۔ ما علمت ابن عقدۃ اتھم بوضع الحدیث۔ مجھے معلوم نہیں کہ ابن عقدہ وضع حدیث کے ساتھ متہم ہیں۔ دارقطنی نے ان کو "رجل سوء" کہا ہے۔

(دیکھو تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۵۵ ج ۳، وتاریخ بغداد صفحہ ۱۸ ج ۵، البدایہ صفحہ ۲۰۹ ج ۱۱)

ابو عمر اللغوی (غلام ثعلب)

ولادت ۲۶۱ھ وفات ۳۴۵ھ

ابو عمر عبدالواحد لغوی کا تذکرہ ذہبی نے اپنی مشہور کتاب تذکرۃ الحفاظ میں کیا ہے۔ غلام ثعلب سے عام طور پر مشہور ہیں۔ لغت میں امتیازی شان کے مالک تھے اور اپنے زمانہ میں لغت کے امام شمار ہوتے تھے اس فن میں ان کی ٹکر کا کوئی دوسرا نہیں تھا ان پر لغت کا غلبہ تھا اسی وجہ سے لغوی کے نام سے مشہور ہیں۔ ورنہ حدیث اور دوسرے فنون میں بھی ان کو کمال حاصل تھا۔

حافظہ بڑا ہی قوی تھا جسکا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ان کی ساری کتابیں زبانی املا کرائی ہوئی تھیں۔ علی بن علی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نے راویوں میں غلام ثعلب سے بڑھ کر قوی حافظہ کسی اور کو نہیں دیکھا۔ اپنے حفظ سے لغت میں تیس ہزار ورق کا املا کرایا۔

عبدالواحد بن برہان فرماتے ہیں کہ میں نے اولین اور آخرین میں ان سے عمدہ کلام کرنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔

(تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ ص ۸۴)

قاضی ابوبکر محمد بن عمر بن جعابی

وفات ۳۵۵ھ

ولادت ۲۸۴ھ

محدث یگانہ و یکتائے زمانہ تھے۔ حدیث میں بہت بلند مقام تھا۔ حفظ و اتقان میں بے مثال تھے محمد بن حسن بن سماعہ، امام ابو یوسف، قاضی تلمیذ امام اعظم اور محمد بن یحییٰ وغیرہ سے حدیث سنی ابن عقدہ کے خاص شاگرد ہیں۔ ابن کثیر فرماتے ہیں۔ تخرج بابی العباس بن عقدہ واخذ عنہ علم الحدیث وشیئاً من التشیع ایضا ابن عقدہ اپنے تشیع میں مشہور تھے۔ استاد کا اثر شاگرد پر بھی پڑا اور ابن جعابی بھی اپنے استاد کے ہمرنگ ہوگئے اور عقیدۃً اہل تشیع میں شمار ہونے لگے۔ ذہبی بھی فرماتے ہیں کہ یہ تشیع میں متہم تھے۔

حفاظ زمانہ کی ایک بڑی جماعت نے ان سے تلمذ اختیار کیا۔ مشہور شاگردوں میں دارقطنی، ابن شاہین اور حافظ ابونعیم وغیرہ ہیں۔

ذہبی ان کو الحافظ البارع اور فرید زمانہ جیسے اونچے القاب سے یاد کرتے ہیں۔ ابوعلی نیشاپوری کا بیان ہے کہ میں نے اپنے مشائخ میں عبدان سے زیادہ حافظ اور اصحاب میں ابن جعابی سے بڑھکر قوتِ حفظ والا کسی کو نہیں دیکھا۔ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم طلبہ کی جماعت ابن صاعد کے پاس سے حدیث سنکر باہر نکلی۔ ابن جعابی بھی ہمارے ساتھ تھے ہم نے ان سے پوچھا کہ ابوبکر ثوری نے مصور سے کتنی روایتیں مسند بیان کی ہیں۔ انھوں نے اس کا جواب فوراً دیدیا پھر ہم نے اسی طرح شام، عراق، مصر وغیرہ کی احادیث کے بارے میں سوال کیا وہ سب کے بارے میں جواب دیتے رہے۔ خراسانیوں کے بارے میں سوال ہوا۔ اس کا بھی (انھوں) نے جواب دیدیا یہانتک کہ ہم نے ان سے پوچھا کہ اعمش نے صالح سے کتنی اور کون سی روایتیں کی ہیں جن میں ابو ہریرہ اور ابو سعید مشترک ہیں۔ تو انھوں نے چند

حدیثیں اس سلسلہ کی بھی ذکر کر ڈالیں۔ ان کے اس بیان سے مجھے ان کی قوت حفظ پر تحیر ہوا۔

ابوالفضل کا بیان ہے کہ میں نے ابن جعابی کو یہ کہتے سنا کہ میں ایک دفعہ رقہ گیا وہاں میری کتابوں کی ایک الماری تھی۔ جو غلام اس کی نگرانی پر تھا اس نے مجھے رنج وکرب کے عالم میں اطلاع دی کہ وہ کتابیں ضائع ہو گئیں۔ میں نے اس سے کہا کہ افسوس نہ کرو ان کتابوں میں اگرچہ لاکھ حدیث تھی لیکن وہ سب میرے سینہ میں محفوظ ہیں اور مجھے ایک حدیث میں بھی شبہ نہ ہوگا نہ سند میں نہ متن میں۔

ابوبکر علی تنوخی فرماتے ہیں کہ میں نے ابوبکر ابن جعابی سے زیادہ حافظ والا کسی دوسرے کو نہیں دیکھا میں نے سنا کہ دو لاکھ حدیثیں یاد رکھتے ہیں اور دو لاکھ حدیثوں کے بارے میں ان سے سوالات کئے جائیں تو وہ اسکا جواب دیں گے۔ نیز فرماتے ہیں کہ ابن جعابی کو دوسرے حفاظ حدیث پر یہ بھی فضیلت حاصل ہے کہ یہ متن اور اسناد کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔ جبکہ بیشتر حفاظ اس کا خیال نہیں کرتے۔

نیز فرماتے ہیں کہ علل حدیث اور ثقہ محدثین کے تراجم وسیر کی معرفت میں امام تھے۔ ان کے زمانہ میں کوئی دوسرا ان سے سبقت لیجانیوالا نہیں تھا۔

ابن کثیر کا بیان ہے کہ لوگوں نے کہا کہ ابن جعابی چار لاکھ حدیث کو سندوں اور متنوں کے ساتھ یاد رکھتے تھے اور چھ لاکھ حدیث سے مذاکرہ کرتے تھے اور تقریباً اتنی ہی مرسل روایتوں، مقاطیع اور حکایات کے بھی وہ حافظ تھے۔ اسمائے رجال، جرح وتعدیل دفیات اور مذاہب محدثین کی معرفت میں امامت کا درجہ رکھتے تھے اور اس باب میں ہمعصر علماء پر فائق تھے۔

ابن کثیر ہی کا بیان ہے کہ جب یہ حدیث کا املاء کراتے تھے تو ان کا گھر لوگوں سے بھر جاتا تھا۔ حدیث کا املاء سند اور متن کے ساتھ کراتے تھے اور نہایت خوبی سے کراتے تھے اور کتاب کے بغیر آپ حفظ سے کراتے تھے۔

ابن زرتویہ کا بیان ہے کہ ابن جعابی جب احادیث کا املاء کراتے تھے تو کثرت ازدحام سے قیامگاہ تنگ ہو جاتی تھی اور راستے بھر جاتے تھے۔

ان کے درس میں کبار محدثین دارقطنی اور ابن مظفر جیسے لوگ حاضر ہوتے تھے سمعانی کا بیان ہے وکان فی آخر عمرہ قد انتھی ھذا العلم الیہ حتی لم یبق فی زمانہ من یتقدمہ فی الدنیا

یعنی ان کی عمر کے آخری حصہ میں علم حدیث کی ان پر انتہا تھی اور دنیا میں ان سے بڑھکر اس فن میں کوئی دوسرا نہیں تھا۔

(تذکرۃ الحفاظ صہ ۱۳۰ ج ۳، البدایہ والنہایہ صہ ۲۶۱ ج ۱۱، کتاب الانساب للسمعانی صہ ۲۸۵ ج ۳)

طبرانی

وفات ۳۶۰ھ ولادت ۲۶۰ھ

ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی مشہور حافظ حدیث، زبردست محدث، اور صاحب تصانیف بزرگ ہیں۔ ذہبی نے ان کو الحافظ، الامام، العلامہ، اور مسند الدنیا جیسے شاندار خطابات سے یاد کیا ہے۔ مدائن، شام، حرمین، یمن، مصر، بغداد، کوفہ، بصرہ، اصبہان، جزیرہ وغیرہ بلاد و ممالک اسلامیہ میں گھوم پھر کر علم حدیث سے دامنِ مراد کو بھرا۔ اور ایک ہزار سے زائد شیوخ حدیث سے استفادہ کیا۔

آپ کی تصانیف قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ اور عوام و خواص میں یکساں مقبول ہیں۔ معجم طبرانی آپ کی مشہور کتاب ہے جسکا کتب حدیث میں بلند مقام ہے۔ اس کے علاوہ معجم اوسط چھ ضخیم جلدوں میں شیوخ کی ترتیب پر آپ نے جمع کیا ہے جس میں اپنے مشائخ کی ان ساری حدیثوں کو جمع کر دیا ہے جنکو آپ نے ان سے روایت کیا ہے امام ذہبی کا بیان ہے کہ دار قطنی کی کتاب الافراد کی طرح یہ کتاب ہے۔ آپ اس کتاب سے طبرانی کے فضل و کمال اور ان کی سعت روایت اور ان کی شان محدثیت پوری طرح سے ظاہر ہے خود طبرانی فرمایا کرتے تھے ھذا الکتاب روحی یہ کتاب میری جان ہے امام ذہبی فرماتے ہیں کہ اس میں ہر طرح کی روایتیں نفیس، غریب، منکر، شاذ وغیرہ ہیں۔

طبرانی کی ایک کتاب معجم صغیر کے نام سے مشہور ہے جسمیں ہر شیخ سے ایک حدیث آپ نے روایت کی ہے۔ امام ذہبی فرماتے ہیں کہ اس کے علاوہ بھی صنف اشیاء کثیرة وکان من فرسان ھذا الشان مع الصدق والامانة بہت سی آپ کی تصانیف ہیں۔ آپ صدق و امانت کے ساتھ اس میدان کے شہسوار تھے۔ ذہبی نے ان میں سے کچھ کتابوں کی فہرست بھی دی ہے جس سے امام طبرانی کی تصنیف و تالیف میں براعت، علمی غزارت، اور جولانی

قلم کا اندازہ ہوتا ہے۔ بعض تصانیف ایسی بھی ہیں جن کے دو سو اجزا ہیں۔

ابن فارس استاد ابن حمید سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا میرے نزدیک وزارت و ریاست سے زیادہ لذیذ دوسری چیز نہیں تھی لیکن ایک دفعہ مجھے امام ابن جعابی اور طبرانی کی ایک بحث سننے کا اتفاق ہوا جسکے بعد مجھے اس علم کے سامنے اپنی وزارت و ریاست ہیچ معلوم ہونے لگی۔ میں اس بحث میں دیکھتا تھا کہ امام طبرانی جعابی پر اپنے حفظ کی وجہ سے غالب ہوتے تھے اور ابن جعابی طبرانی پر اپنی فطانت و ذہانت سے غلبہ پالیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ جوش میں آکر ابن جعابی نے فرمایا کہ میرے پاس ایک ایسی حدیث ہے کہ دنیا میں میرے علاوہ کسی دوسرے کے پاس وہ نہیں ہے۔ طبرانی نے کہا بیان کیجیئے وہ کونسی ہے؟ جعابی نے ابھی اخبرنا ابو خلیفہ، اخبرنا سلیمان ہی کہا تھا کہ طبرانی نے ان کو ٹوکا کہ یہ سلیمان میں ہی ہوں۔ مجھی سے ابو خلیفہ نے سنا ہے۔ اب تم مجھ سے اس حدیث کو سن لو تاکہ تمھاری سند عالی ہو جائے۔ اس بات پر ابن جعابی شرم سے گردن نہ اٹھا سکے اور طبرانی کی خوشی دیکھی نہیں جاتی تھی۔ اس وقت میں نے چاہا کہ وزارت کے بجائے مجھے طبرانی کا علم ہوتا اور آج ان کی خوشی مجھے حاصل ہوتی تو یہ وزارت سے کہیں زیادہ قیمتی چیز ہوتی۔

حافظ ابو العباس احمد بن منصور شیرازی فرماتے ہیں کہ میں نے طبرانی سے تین لاکھ حدیث کی کتابت کی ہے۔

(تذکرۃ الحفاظ ترجمۃ الطبرانی صفحہ ۱۱۹ ج ۳)

ابن شاہین

ولادت ۲۹۷ھ　　　　وفات ۳۸۵ھ

عمر ابن احمد ابوحفص بن شاہین جلیل القدر محدث اور حافظ حدیث ہیں۔ بہت سی کتابیں لکھیں اور بہت سے اجزا تصنیف کئے۔ کثرتِ تالیف میں اپنے زمانہ کے مشہور مؤلفین و مصنفین میں شمار کیے جاتے ہیں۔ حافظہ بھی آپ کا غضب کا تھا۔ استحضارِ علمی میں فرد فرید تھے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے تین سو تیس کتابیں تصنیف کی ہیں۔ اس میں ایک تفسیر کبیر بھی ہے جس کے ایک ہزار جز تھے اور مسند کے ایکہزار پانچسو جز تھے اور تاریخ کے ایک سو بچاس جز تھے اور ایک جز زہد میں تھا۔

ابن ساجی کہتے ہیں کہ میں نے ابن شاہین سے کثرت سے حدیثیں سنی ہیں۔ اور ابن شاہین کا بیان تھا کہ میں ابتک چار سو رطل سے روشنائی سے لکھ چکا ہوں۔ عمر بن اسمٰعیل داؤدی فرماتے ہیں کہ میں نے ابن شاہین سے کہتے سنا کہ ابتک میں جو رقم روشنائی کی خرید پر صرف کر چکا ہوں اس کی مقدار سات سو درہم ہے اور داؤدی کہتے ہیں کہ ہم اس وقت ایک درہم میں چار رطل روشنائی خریدا کرتے تھے۔ گویا اس حساب سے اٹھائیس سو رطل اس وقت تک انھوں نے روشنائی خریدی۔ اور ابن داؤدی فرماتے ہیں کہ اس کے بعد بھی ان کے لکھنے کا سلسلہ جاری رہا۔

قوتِ حفظ کے سلسلے میں خود ان کا بیان سننے کے لائق ہے۔ ابن بقال ابن شاہین سے روایت کرتے ہیں کہ ابن شاہین کہتے تھے کہ میں ایک دفعہ سفر میں گیا تھا۔ جب سفر سے واپس ہوا تو دیکھا کہ میری ساری کتابیں ضایع ہو چکی ہیں۔ تو میں نے اپنے حفظ سے بیس ہزار یا تیس ہزار حدیث لکھ ڈالی۔

ابن شاہین　　کے ثقہ ہونے کی گواہی عتیقی وغیرہ نے دی ہے۔ بعض لوگوں نے

کہا ہے کہ آپ لحان تھے اور فقہ میں درک کم تھا جب ان سے کوئی پوچھتا کہ آپ کا فقہی مسلک کیا ہے اور ان کے سامنے امام شافعی اور دوسرے ائمہ کا مسلک بیان کیا جاتا تو کہتے کہ میں محمدی ہوں۔

(یہ ساری باتیں تاریخ بغداد صفحہ ۲۶۵ ج ۱۱ ترجمہ ابن شاہین سے ماخوذ ہیں)

دار قطنی

ولادت ۳۰۶ھ وفات ۳۸۵ھ

علی بن عمر دار قطنی جلیل القدر امام اور محدث ہیں۔ حدیث میں ان کی کتاب سنن معروف و مشہور ہے۔ مذاہب فقہاء سے خوب واقف تھے اور خود بھی علم فقہ سے بہرہ ور تھے جسکا پتہ ان کی سنن کے مطالعہ سے لگتا ہے۔ حدیث میں ان کی امامت اور سیادت ژرف نگاہی اور وسعت نظر محدثین میں مسلّم ہے۔ پھر فقہ سے اشتغال نے وسعتِ نظر کے ساتھ ان کے اندر دقت نظر بھی پیدا کردی تھی۔ وہ فقہ اور حدیث دونوں میں امامت کا درجہ رکھتے تھے۔ لیکن آپ کا شمار محدثین ہی میں ہوتا ہے۔ خطیب ان کی شان میں بلند و رفیع کلمات استعمال کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ منها المعرفة بمذاهب الفقه فانّ كتاب السنن الذى صنفه يدل على انه كان ممن اعتنیٰ بالفقه منجملہ آپ کی خصوصیات کے آپ کو ایک خصوصیت یہ بھی حاصل تھی کہ مذاہب فقہ سے آپ واقف تھے آپ کی مصنفہ کتاب السنن سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ان لوگوں میں سے تھے کہ جنھوں نے فقہ کے ساتھ اعتنا کیا تھا۔

حدیث و فقہ کے ساتھ ساتھ آپ کو ادب و شعر سے خاصی دلچسپی تھی۔ شعراء عرب کے دواوین آپ کو محفوظ تھے۔ اس جامعیت کا ان کے زمانے میں دوسرا آدمی نہیں تھا خود ان سے لوگوں نے دریافت کیا کہ کیا آپنے اپنا مثل دیکھا ہے تو فرمایا کہ اگر صرف ایک فن کی بات ہو تو اور بھی لوگ ہیں جو مجھ سے افضل ہیں اور اگر جملہ علوم و فنون کی بات ہے تو جو علم میرے اندر رکھا گیا ہے وہ میری نگاہ میں کسی اور کے پاس نہیں ہے۔ آپ کی جامعیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ آپ کے سامنے جس فن اور جس موضوع پر گفتگو ہوتی اس فن کے سلسلہ میں آپ لوگوں کی معلومات میں گرانقدر اضافہ فرماتے۔

آپ کا حافظہ زبان زد عوام و خواص تھا۔ طاہر بن عبداللہ کا تو یہاں تک بیان ہے کہ بغداد میں ان سے بڑھکر کوئی دوسرا حافظہ والا نہیں آیا۔

ان کے حفظ ہی کے سلسلہ کا خطیب نے ایک دلچسپ اور عجیب و غریب واقعہ لکھا ہے ابھی ان کے سن شعور کا ابتدائی زمانہ ہی تھا کہ یہ اسماعیل بن صفار کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے لیکن شان یہ تھی کہ شیخ حدیث بیان کرتے ہوتے اور یہ اسی مجلس میں کسی کتاب سے اپنی کاپی پر احادیث نقل کیا کرتے۔ ان کی یہ حرکت دیکھکر ان کے بغل میں جو صاحب تھے انھوں نے ان کو جھڑکا اور کہا کہ تمھارا سماع شیخ سے درست نہیں ہے۔ امام دارقطنی نے فرمایا کہ یہ سمجھ سمجھ کی بات ہے اچھا بتلاؤ کہ شیخ نے آج کتنی حدیثیں بیان کی ہیں ساتھی کو یاد نہیں رہا کہ ابتک کتنی حدیثیں املاء کرائی جاچکی ہیں وہ خاموش رہا تب دارقطنی نے فرمایا کہ ابتک شیخ نے اٹھارہ حدیثیں بیان کی ہیں چنانچہ اس ساتھی نے اپنی کاپی دیکھی تو ٹھیک اٹھارہ حدیثیں تھیں۔ پھر امام دارقطنی نے ان ساری حدیثوں کو سند اور متن کے بلا ادنیٰ فرق و اختلاف کے سنا دیا۔ اور اسی ترتیب سے جسطرح شیخ نے بیان کیا تھا۔ اس پر حاضرین تعجب سے انگشت بدنداں رہ گئے۔

(تاریخ بغداد صہ ۳۴/۱۲ ترجمہ دارقطنی)

ابن باقلانی

ولادت سنہ   وفات سنہ ۴۰۳ھ

محمد بن طیب بن محمد قاضی ابوبکر معروف بہ ابن باقلانی بصرہ کے رہنے والے تھے اصول اور عقائد میں اشعری مذہب کے پیرو تھے۔ بغداد میں حدیث کا سماع کیا تھا اور وہیں سکونت اختیار کرلی تھی۔ علم کلام میں خصوصی مہارت رکھتے تھے اور جدل و مناظرہ کے مرد میدان تھے فصاحت و بلاغت، حسن بیان، شگفتگی تحریر میں بے نظیر تھے آپ کا شمار کثیر التصانیف مصنفین میں ہوتا ہے آپ کی بیشتر تصانیف فرق باطلہ کے رد میں ہے۔ حاضر جوابی اور اسکاتِ خصم میں مشہور تھے۔ ذہن رسا اور عالی تھا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ابن المعلم جو روافض کا شیخ اور ان کا بڑا عالم تھا اپنے کچھ شاگردوں کے ساتھ ایک مجلس میں بیٹھا تھا اس نے دور سے ابن باقلانی کو آتے ہوئے دیکھا اور اپنے پاس بیٹھنے والوں سے کہا جاء کم الشیطان تمہارے پاس شیطان آگیا یہ جملہ ابن باقلانی کے کان میں پڑگیا اور جب وہ مجلس کے قریب آئے تو یہ آیت تلاوت کی انا ارسلنا الشیاطین علی الکافرین توزھم ازاً ہم نے شیطان کو کافروں پر چھوڑ رکھا ہے جو ان کو خوب ابھارتے ہیں گویا یہ اشارہ تھا کہ میں اگر شیطان ہوں تو تم کافر ہو۔

حافظہ کی قوت کا عالم یہ تھا کہ وہ اپنی ساری کتاب بغیر کسی کتاب کی طرف مراجعت کے صرف اپنے حفظ سے تصنیف کیا کرتے تھے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ ماصنف احد خلافا الا احتاج الی ان یطالع کتب المخالفین غیر القاضی ابی بکر فان جمیع ما کان یذکر خلاف الناس فیہ صنفہ من حفظہ۔

یعنی جس کسی نے بھی خلافیات پر کوئی تصنیف کی ہے تو اسے ضرورت پڑی کہ مخالفین

کی کتابوں کا مطالعہ کرے سوائے قاضی ابو بکر کے۔ ان کی ساری تصانیف جو مخالفین کے رد میں ہیں انھوں نے اس کو اپنے حفظ سے لکھا ہے۔
ان کی سعت معلومات اور قوتِ حفظ کا یہ بھی ایک دلچسپ واقعہ ہے کہ وہ کبھی اپنی کتابوں کے اختصار پر قادر نہ ہو سکے۔ جب کسی کتاب کے اختصار کا ارادہ کرتے وہ کتاب اور پھیل جاتی۔ عام دستور یہ تھا کہ روزانہ شب میں پینتیس ورق اپنے حفظ سے لکھتے اور صبح اس کا املا کراتے

(تاریخ بغداد صفحہ ۳۷۹ ج ۵)

ابو عمرو عثمان الدانی المقری

ولادت ۳۷۱ھ — وفات ۴۴۴ھ

ابو عمرو عثمان بن سعید دانی قرطبی کا شمار بلند پایہ محدث، امام قرات، کثیر التصانیف مؤلف کی حیثیت سے ہوتا ہے ذہبی نے اپنے تذکرہ میں ان کو الحافظ، الامام اور شیخ الاسلام جیسے بلند و بالا الفاظ سے یاد کیا ہے۔ دانیہ میں ان کی بود و باش تھی اس وجہ سے ان کو دانی کہا گیا۔ مختصر بلاد و امصار کا سفر کرنے کے علم حاصل کیا۔ تفسیر، حدیث، اور قرأت کے امام تھے اندلس و قرطبہ کے مشاہیر قرا، اور مجددین سے علم قرأت اور تجوید حاصل کیا اور اس میں کامل دستگاہ پہونچائی حتیٰ کہ مقری آپ کے نام کا جز بن گیا۔

حافظ ذہبی نے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ان کی تصانیف کی تعداد ڈیڑھ سو ہے۔ ابن بشکوال فرماتے ہیں کہ ابو عمرو علم قرأت، اس کی روایتوں اور اس کی تفسیر اور معانی اور طرق اور اعراب کے امام ہیں اور ان کی ان فنون میں مستقل، عمدہ تصانیف ہیں۔ ولہ معرفۃ بالحدیث وطرقہ واسماء رجالہ اور ان کو حدیث اور اس کے طرق اور اسماء رجال میں بھی معرفت حاصل ہے۔ حمیدی ان کو مکثرین میں شمار کرتے ہیں قال الحمیدی محدث، مکثر مقری، متقدم،

امام ذہبی نے ان کو حفاظ حدیث میں سے شمار کیا ہے اور فرماتے ہیں کان حسن الخط و الضبط من اهل الحفظ والذکاء والتفنن وکان ادیبا فاضلا ورعا سنیا اچھے خط اور عمدہ ضبط والے تھے اور حفاظ میں سے تھے اور ذکی، عالم تھے۔ اور ان علماء میں سے تھے جو مختلف فنون میں باکمال ہوتے ہیں۔ ادیب، فاضل اور پرہیزگار، اور اہلسنت

وجاعت میں تھے۔

ابو محمد بن عبداللہ حجری فرماتے ہیں کہ بعض مشائخ کا خیال ہے کہ حفظ و تحقیق میں ابو عمرو دانی کا کوئی مثیل نہ ان کے زمانہ میں ہوا اور نہ بعد میں ہوا۔

دانی اپنے بارے میں خود کہا کرتے تھے کہ جو چیز میں نے دیکھا اس کو لکھ لیا۔ اور جو لکھ لیا اس کو یاد ضرور کرلیا اور جب یاد کرلیا تو پھر اس کو بھولا نہیں۔

(دیکھو ترجمۃ الدانی تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۲۸۹/۳۲۰)

ابن سیدہ

ولادت سنہ — وفات سنہ ۴۵۸ھ

ابوالحسین علی بن اسماعیل المرسی صاحب المحکم المعروف بابن سیدہ لغت کے حافظ اور امام تھے۔ نابینا تھے۔ ابتداءً اپنے والد سے علم حاصل کیا اور لطف کی بات یہ ہے کہ خود ان کے والد بھی ضریر (نابینا) تھے پھر ابوالعلا صاعد بغدادی سے بطور خاص استفادہ کیا۔

عربیت اور لغت میں اپنے زمانہ میں اپنا مثل نہیں رکھتے تھے۔ لغت کی اہم اور مشہور کتاب محکم جو متعدد جلدوں میں ہے وہ آپ ہی کی تصنیف ہے۔ حماسہ کی شرح چھ جلدوں میں مکمل کیا۔ ان دو کتابوں کے علاوہ بھی بعض دوسری کتابیں آپ کی مولفہ ہیں جن کا نام ہمیں معلوم نہیں ہو سکا۔

ان کی ساری کتابیں ان کی قوتِ حفظ کی شاہد ہیں۔ ابو عمر طلمنکی کی مجلس میں انھوں نے ابو عبید کی مشہور کتاب "کتاب الغریب" اپنے حفظ سے پڑھکر سنادی تھی۔ مجلس میں موجود سبھی مشائخ حیران و ششدر اور انگشت بدنداں تھے اور عجیب تر بات یہ ہے کہ ابو عمر اپنے ہاتھ میں کتاب مذکور لئے ہوئے تھے۔ لیکن کہیں بھی ابن سیدہ نے غلطی نہیں کی جس پر لوگوں کو مزید حیرانی ہوئی۔ ساٹھ سال کی عمر میں عالم فانی کو خیرباد کہا۔

حدیث میں انھیں کوئی خاص امتیاز حاصل نہیں تھا۔

(البدایہ ج ۱۲ صفحہ ۵۹)

خطیب بغدادی

ولادت سنہ ۳۹۲ وفات سنہ ۴۶۳

احمد بن علی ابن ثابت بن مہدی ابوبکر خطیب مشہور زمانہ محدث اور مورخ ہیں۔ ان کی بینظیر تالیف تاریخ بغداد سے بچہ بچہ واقف ہے۔ بغداد کے ایک گاؤں "درب ریحان" میں بیس سال تک خطیب رہے۔ ان کے والد بھی سواد عراق کے ایک گاؤں "درزنجان" میں اسی عہدۂ خطابت پر رہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ خطیب کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔

بغداد، نیشاپور، اصبہان، دینور، کوفہ، بصرہ، ہمدان، شام حجاز وغیرہ بلاد عربیہ و امصار اسلامیہ کا سفر کیا اور حدیث سنی اور اپنے زمانہ کے مشاہیر اہل حدیث سے شرف تلمذ حاصل کر کے علم حدیث میں کمال تام حاصل کیا

ابوالحسن ابن صلت اہوازی، ابوعمران بن مہدی، ابوالحسین بن متیم، حسین بن حسن جوالیقی ابن زرقویہ، ابن ابی الفارس، ابوعمر قاسم بن جعفر ہاشمی، حسن بن علی نیشاپوری، عبدالرحمن بن سراج محمد بن عبداللہ بن شہریار حافظ ابونعیم، محمد بن علیسی، اور اس کے علاوہ دوسرے بہت سے مختلف بلاد و امصار کے علماء سے حدیث سنی۔

خود ان سے روایت کرنیوالے محدثین کی ایک بڑی جماعت ہے جس میں سے چند نام حسب ذیل ہیں۔

محدث برقانی (یہ خطیب کے شیخ بھی ہیں) ابوالفضل بن خیرون فقیہ، نصر مقدسی، ابوعبداللہ حمیدی، عبدالعزیز کتانی، ابوالنصر بن ماکولا، وعبداللہ بن احمد سمرقندی مبارک بن طیوری، محمد بن مرزوق، زعفرانی اور ان کے علاوہ ان کے تلامذہ کی ایک طویل فہرست ہے۔

خطیب کا بیان ہے کہ میں نے گیارہ سال کی عمر میں پہلی مرتبہ حدیث سنی۔

ابتداءً یہ فقہ حنبلی کے پیرو تھے لیکن بعد میں انھوں نے شافعیت اختیار کرلی تھی۔ اور حنبلیت کے خلاف ان کا رویہ بڑا جارحانہ ہو گیا تھا بلکہ بقول ابن کثیر حنبلی مذہب کے خلاف دسیسہ کاریاں ان کا شیوہ بن گیا تھا جسکے ردعمل میں ابن جوزی نے ان کا جواب اسی لب ولہجہ میں دینا شروع کیا۔ اور دوسرے مذاہب کے خلاف ان کی مساعی نامشکور کا پورا وار کیا۔

خطیب بغدادی جیسے صاحب فضل وکمال اور عظیم القدر محدث کی جبین حیات پر یہ بڑا داغ ہے کہ ان کی زبان وقلم سے دوسرے مذاہب کے اعیان واعلام بہت کم محفوظ رہے جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ امت میں جو خطیب کو مقام ملنا چاہیئے تھا یہ مقام وہ نہ پا سکے اور خود ان کے زمانہ میں ان کی وہ قدر نہ ہوسکی جس کے واقعۃً یہ مستحق تھے۔

اگر خطیب کی زندگی کے اس حاشیہ سے قطع نظر کرلیا جائے تو ان کا مقام علم وفضل میں بہت بلند ہے جسکی گواہی بڑے بڑے اصحاب فضل وکمال نے دی ہے۔

ذہبی نے ان کو الامام اور محدث الشام جیسے بلند و بالا لقب سے یاد کیا ہے۔ ابن عساکر نے ان کا ترجمہ ان کلمات سے شروع کیا ہے۔

الفقیہ الحافظ احد الائمۃ المشہورین والمصنفین المکثرین والحفاظ المبرزین ومن ختم بہ دیوان المحدثین۔

یعنی وہ فقیہ اور حافظ حدیث ہیں۔ مشہور اماموں میں سے ہیں۔ کثیر التصانیف مصنف ہیں اور ان حفاظ حدیث میں سے ہیں جنکو فن حدیث میں سبقت اور تقدم ہے جن پر محدثین کا دفتر ختم کیا جا چکا ہے۔

یہی ابن عساکر ان کو ایک جگہ ان کلمات سے یاد کرتے ہیں وکان الیہ المنتہی فی علم الحدیث ۔ یعنی ان پر علم حدیث کی انتہا تھی اور علامہ علی بن ہبۃ اللہ خطیب کے بارے اپنے تاثرات کا یوں اظہار کرتے ہیں۔

خطیب بغدادی ان اعیان حفاظ حدیث کی آخری یادگار تھے جو حدیث کی معرفت اس کے اتقان اس کے حفظ میں یکتائے زمانہ تھے۔ ضبط حدیث، معرفت علل، اسناد میں فنی براعت وکمال، رواۃ حدیث کی پرکھ، صحیح، منکر، سقیم، مطروح احادیث سے واقفیت میں جنکا مقام بہت بلند تھا۔ بغدادی محدثین میں دارقطنی کے بعد اس جامعیت

اور فضل وکمال کا دوسرا آدمی نہیں تھا۔

حافظ موتمن بن احمد کہتے ہیں کہ دار قطنی کے بعد بغداد نے خطیب جیسا حافظ حدیث نہیں پیدا کیا۔ احمد بن محمد بردانی سے لوگوں نے پوچھا آپ نے حفظ میں خطیب کا مثل دیکھا ہے انھوں نے جواب دیا کہ خود خطیب نے بھی شاید اپنا مثل نہ دیکھا ہوگا۔

ابوسعد سمعانی کا بیان ہے کہ خطیب بارعب، باوقار، ثقہ، متحری، حسن الخط، کثیر الضبط اور فصیح محدث تھے۔ حفاظ حدیث کا ان پر خاتمہ ہوگیا۔

خطیب نہایت درجہ جہیر الصوت تھے۔ احادیث کی قرأت بڑی تیز رفتاری سے کیا کرتے تھے مگر صحیح اور اعراب کی پوری رعایت کے ساتھ۔ دمشق کی جامع مسجد میں یہ قرأت کیا کرتے تھے اور اس کے آخری حصہ میں ان کی آواز صاف سنائی دیتی تھی۔ پانچ روز میں انھوں نے محدثہ   کے پاس پوری صحیح بخاری پڑھ ڈالی تھی۔

حافظہ بھی ان کا جیسا کہ محدثین کے بیان سے ظاہر ہوا بڑا قوی تھا۔ صرف ان کی تاریخ بغداد کا جس نے مطالعہ کیا ہے اس سے وہ اندازہ کریگا کہ انکا حفظ کس غضب کا تھا۔ غیث بن علی صوری کہتے ہیں کہ ایک دفعہ خطیب ہمارے ساتھ حج میں تھے میں نے ان کا معمول یہ دیکھا کہ روزانہ ایک ختم قرآن پڑھا کرتے تھے اور جب وہ اپنا دورہ پورا کر کے سواری پر سوار ہوتے تو لوگ ان کے پاس جمع ہوتے اور حدیث بیان کرنے کی درخواست کرتے تو وہ اسی حالت میں ان سے حدیث بیان کرتے تھے۔

خطیب کثیر التصانیف مصنفوں میں سے ہیں اور ان کی ساری کتابیں تصنیف کے اعلیٰ معیار پر ہیں۔ ابن عساکر نے ان کی مصنفات کی تعداد چھپن بتلائی ہے۔ ذہبی نے بھی یہی تعداد بتلائی ہے۔ ابن جوزی نے اپنی تاریخ منتظم میں ان تصانیف کا ذکر کیا ہے اور بعض کا ذکر حافظ ذہبی اور ابن کثیر نے بھی کیا ہے۔

خطیب کی تصانیف کا بڑا عیب یہ ہے کہ وہ دوسروں کے ساتھ انصاف نہیں کرتے اپنی تاریخ میں انھوں نے بہت سی اسلام کی گرانقدر اور عظیم المرتبت شخصیتوں کے ساتھ ظلم کی حد تک زیادتی کی ہے جو ان کے شاندار شاہکار پر ایک بدنما داغ ہے اور جس سے خود خطیب کی شخصیت مجروح ومطعون ہوتی ہے۔

بعض لوگوں کا خطیب پر الزام ہے کہ انھوں نے دوسروں کی کتابوں کو اپنے نام سے شائع کر دیا ہے۔ چنانچہ ان کی بیشتر تصانیف کے متعلق ابن کثیر جیسے ثقہ آدمی کا یہ کہنا ہے کہ یقال ان ھذہ المصنفات اکثرھا لابی عبد اللہ الصوری او ابتدا ھا فتمھا الخطیب وجعلھا لنفسہ یعنی لوگوں نے کہا کہ ان تصانیف میں سے اکثر تصنیف ابو عبداللہ صوری کی ہے یا وہ ہے جسکو انھوں نے شروع کیا تھا لیکن وہ پورا نہ کر سکے۔ خطیب نے اس کی تکمیل کی اور اپنی بنا کر پیش کیا۔

اور ابن کثیر ہی لکھتے ہیں۔

خرج من دمشق واقام بمدینۃ صور فکتب شیئا کثیرا من مصنفات ابی عبد اللہ الصوری بخطہ وکان یستعیر ھا من زوجتہ۔ یعنی خطیب دمشق سے شہر صور آئے اور وہاں قیام کر کے عبداللہ صوری کی بہت سی مصنفات کو جو قلمی تھیں نقل کیا کرتے تھے اور یہ مصنفات ان کی بیوی سے عاریت کے طور پر لیا کرتے تھے

خطیب کا بیان ہے کہ میں نے آب زمزم پی کر تین دعائیں مانگی تھیں۔ پہلی دعا یہ تھی کہ بغداد میں مجھے تاریخ بغداد کے املاء کرانے کا موقعہ ملے۔ دوسری یہ کہ جامع منصور میں حدیث بیان کرنے کا شرف حاصل ہو۔ اور تیسری یہ کہ مرنے کے بعد وہ بشر حافی کے پہلو میں دفن کیے جائیں۔

مورخین نے لکھا ہے کہ یہ تینوں دعائیں مستجاب ہوئیں۔

انتقال کے وقت انھوں نے وصیت کی تھی کہ ان کی کتابوں اور نقدی رقوم کو کار خیر میں اور اہل حدیث پر تقسیم کر دیا جائے۔

(دیکھو البدایہ صفحہ ۱۰۱ ج ۱۲، ابن عساکر صفحہ ۳۹۸ ج ۲، تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۳۱۲ ج ۳)

ابو اسمٰعیل عبداللہ بن محمد اصبہانی

ولادت سنہ ۳۹۶ھ وفات سنہ ۴۸۱ھ

امام عصر، حافظ حدیث اور شیخ الاسلام تھے۔ زہد ورع میں بڑا اونچا مقام تھا۔ صاحب ہیبت وجلال بزرگ تھے۔ مسلکاً حنبلی تھے اور حنبلیت میں غلو کی حد تک تشدد تھا جس کی وجہ سے ان سے زمانہ ناراض تھا اور وہ زمانہ بھر سے ناراض تھے۔ اہل زمانہ کی مخالفتوں کی وجہ سے ان کو بڑی مشکلوں اور تنگیوں کا سامنا رہا لیکن ان کو اظہار حق سے کسی کا مرتبہ، جاہ وجلال، اور کسی کی شوکت وصولت نے باز نہیں رکھا۔ جو حق سمجھتے تھے کہہ گذرتے تھے۔ سلاطین و امراء کے دربار میں بے باکی اور بے تکلفی سے گفتگو کرتے تھے۔ معاصرین علماء سے بار بار مناظرہ کیا اور یہ اپنی قوت گویائی، طلاقت لسانی، اور کثرت علم اور قوت حفظ سے ان پر غالب رہتے تھے متعدد کتابوں کے مصنف ہیں جس میں سے الاربعین، الفاروق فی الصفات، ذم الکلام واہلہ، منازل السائرین کا ذہبی نے تذکرہ میں نام لیا ہے۔ ذہبی ان کی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کان سیفا مسلولا علی المخالفین وجذ غافی اعین المتکلمین وطود ذا فی السنۃ لا یتزلزل وقد امتحن مرات یعنی مخالفین کے حق میں سیف براں۔ متکلمین کی نگاہوں میں شہتیر، اور سنت کے غیر متزلزل پہاڑ تھے۔ متعدد مرتبہ آزمائش میں مبتلا کئے گئے۔ ابو النصر خانی کہتے ہیں کہ مختلف فضائل ومحاسن کے مالک تھے۔ دین کی نصرت بلا مداہنت کیا کرتے تھے نہ کسی بادشاہ کی پرواکرتے نہ کسی وزیر کی جسکی وجہ سے حساد زمانہ کے ہاتھوں مبتلائے آزمائش ہوئے لوگ ان کی جان کے درپے تھے۔ متعدد بار ان کو ختم کرنے کا منصوبہ بنایا لیکن ہر مرتبہ اللہ نے ان کو بچالیا اور انھیں مخالفتوں اور عداوتوں کو ان کی بلندی مرتبہ اور علوئے شان کا سبب بنا دیا۔

حضرت امام احمد کے مناقب میں ان کی ایک کتاب ہے تفسیر اور تصوف کا بھی ان پر

غلبہ تھا۔ عرصۂ دراز تک قرآن کی تفسیر بیان کرنیکے مشغلہ رہا فرماتے تھے کہ جب میں تفسیر بیان کرتا ہوں تو میرے پیش نظر ایک سو سات تفسیریں ہوتی ہیں۔ جن سے میں تفسیر بیان کرتا ہوں۔
حافظہ بڑا قوی تھا۔ ابن طاہر فرماتے ہیں کہ میں نے ان کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ مجھے بارہ ہزار حدیثیں یاد ہیں۔ جنکو بلا تکلف سرڈا پڑھتا ہوں۔
احادیث کی کتابوں میں امام ترمذی کی جامع کو دوسری کتابوں سے زیادہ مفید بتاتے۔ یہاں تک کہ مسلم و بخاری کی جامع سے بھی اس کو افضل و افید کہتے اور فرماتے کہ لانھما لایصل الی الفائدۃ منھما الا من یکون من اھل المعرفۃ التامۃ وھذا کتاب قد شرح احادیثہ وبینھا فیصل الی فائدۃ کل فقیہ و کل محدث یعنی بخاری و مسلم کی کتابوں سے وہی استفادہ کر سکتا ہے جسکو حدیث میں معرفت تامہ حاصل ہو لیکن امام ترمذی کی جامع سے ہر فقیہ اور محدث مستفید ہو سکتا ہے اس لئے کہ ترمذی نے اس کتاب میں احادیث کی شرح اور اس کا بیان خوبی سے کردیا ہے۔ منبر پر بیٹھ کر یہ شعر پڑھا کرتے تھے جس سے ان کی طبیعت اور ان کے مزاج کا اندازہ لگتا ہے۔

انا حنبلی ما حییت و ان امت
نوصیتی للناس ان یتحنبلوا

میں جب تک زندہ ہوں تو حنبلی ہوں اور جب مرجاؤں تو لوگوں کے لئے میری وصیت یہ ہے کہ وہ حنبلی ہوجائیں۔

(دیکھو تذکرہ صفحہ ۳۵۴/۳ج)

ابو المظفرؒ سمعانی

ولادت سنہ　　　　　　　　　　وفات سنہ ۴۸۹ھ

ابو المظفر منصور بن محمد پانچویں صدی کے عظیم محدث تھے۔ ابن کثیر نے ان کو الحافظ من اہل مرو کہا ہے۔ خاندان میں پشتہا پشت تک علم کی گرم بازاری رہی ہے۔ انھیں کے پوتے الانساب کے مصنف ہیں جن کا نام عبد الکریم بن محمد ابن ابی المظفر ہے۔ یہ عظیم پوتے کے عظیم القدر جدا مجد ہیں۔

ان کا خاندان شروع ہی سے فقہ حنفی کا پابند رہا ان کے والد محمد بن منصور خود حنفی مذہب کے زبردست عالم اور امام تھے۔ ابتداءً اپنے والد ہی سے تعلیم حاصل کر کے مذہب حنفی میں تفقہ اور کمال حاصل کیا۔ اور بعد میں شافعی مذہب اختیار کر لیا اور ابو اسحٰق اور ابن صباغ وغیرہ علماء شوافع سے کسب علم کیا۔

تقریباً سبھی علوم میں کمال حاصل تھا اور ابن کثیر کا بیان ہے کہ کانت لہ ید طولیٰ فی فنون کثیرۃ یعنی بہت سے فنوں میں باکمال تھے۔

مختلف کتابوں کے مصنف ہیں چند نام یہ ہیں۔ تفسیر، کتاب الانتصار فی الحدیث، برہان، القواطع فی اصول الفقہ، اصطلاح۔

اللہ نے قوتِ حفظ کی دولت سے مالا مال کیا تھا خود ان کا بیان ہے ما حفظت شیئا فنسیتہ میں نے کسی چیز کو یاد کر کے بھلا دیا ہو ایسا نہیں ہوا ہے۔

مرو میں ان کا انتقال ہوا اور علم و فن کا ایک تابندہ ستارہ مرو کے قبرستان میں مدفون ہو گیا۔

(البدایہ صہ ۱۵۴/۱۲)

ابو یوسف القزوینی

ولادت ـــــ وفات ۴۸۹ھ

عبدالسلام بن محمد بن یوسف بن بندار القزوینی سلسلۂ نسب ہے۔ ابو یوسف کنیت ہے مذہباً معتزلی تھے بلکہ اپنے زمانہ میں شیوخ معتزلہ میں شمار ہوتے تھے تحدیث ابو عمران بن مہدی وغیرہ سے حاصل کی۔

وطن سے ہجرت کر کے مصر میں اقامت اختیار کر لی تھی اور چالیس سال کی طویل مدت تک مصر ہی میں رہے۔ مصر میں کتابوں کا ایک عظیم اور نادر ذخیرہ جمع کیا تھا۔ علم میں ان کا پایہ بہت بلند تھا اور حافظہ بھی عجیب وغریب تھا ان کے علم اور ان کی قوتِ حفظ کو جاننے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ انھوں نے سات سو جلدوں میں قرآن کی تفسیر تالیف کی تھی۔ ابن کثیر کا بیان ہے وصنف تفسیراً فی سبع مائۃ جلد (سات سو جلدوں میں ایک تفسیر تصنیف فرمائی)۔

اور قرآن کے صرف اس ایک جملہ (واتبعوا ما تتلوا الشیاطین علیٰ ملک سلیمان) کی تفسیر میں پوری ایک جلد لکھ ڈالی۔ ظاہر ہے کہ اتنی طویل تفسیر میں رطب ویابس اور عجائب وغرائب بھی بہت ہوں گے۔ چنانچہ ابن جوزی کا بیان ہے "جمع فیہ العجب"

بغداد میں ۴۸۹ھ میں انتقال کیا۔ انتقال کے وقت عمر چھیانوے سال کو پہونچ چکی تھی۔

(البدایہ صفحہ ۱۵۰ ج ۱۲)

ابو المحاسن رویانی صاحب البحر

ولادت ۴۱۵ھ وفات ۵۰۲ھ

عبد الواحد بن اسمٰعیل ابو المحاسن رویانی کا شمار مشاہیر ائمہ شافعیہ میں ہوتا ہے اصلاً طبرستان کے رہنے والے تھے۔ طلب علم میں دنیا کے بیشتر ممالک کا سفر کیا۔ علمائے ماوراء النہر سے خصوصی استفادہ کیا اور بہت سارے علوم میں ایسا کمال حاصل کیا کہ اہل زمانہ کے لئے قابل رشک بن گئے۔

حدیث وفقہ میں بہت بلند مقام تھا۔ کثیر الاحادیث محدثین میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ تصنیف و تالیف کے مرد میدان تھے۔ فقہ شافعی میں متعدد کتابیں تصنیف فرمائیں جو اپنے انداز میں بینظیر ہیں اور انھیں میں سے ایک کتاب ان کی جو بہت زیادہ مشہور اور طویل ہے "بحر" ہے ابن کثیر کا بیان ہے کہ ھو حافل، کامل، شامل للغرائب وغیرھا یعنی جامع، کامل اور ہر طرح کی باتوں کو شامل ہے۔

اسی کتاب کے متعلق عربی کی یہ مثل مشہور اور زبان زد عوام ہے "حدث عن البحر ولا حرج" اس سے اس کتاب کی عظمت و وسعت اور جامعیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے ابن خلکان کا بیان ہے کہ رویانی نے ناصر مروزی سے فقہ کی تحصیل کی تھی، عوام وخواص میں ان کو بلند مقام حاصل تھا۔ اصول و فروع میں ان کی تصانیف ہیں۔ انھیں میں سے بحر المذاہب کتاب مناصیص الامام الشافعی، کتاب الکافی، اور حلیۃ المؤمن ہے۔ ایک دوسری کتاب اختلاف مذاہب میں بھی ہے۔

بحر المذاہب یہ وہی کتاب ہے جس کا تذکرہ اوپر ہو چکا اللہ تعالیٰ نے علم کے ساتھ ساتھ زہد و قناعت، تقویٰ اور بزرگی کی نعمتوں سے بھی نوازا تھا۔ عمر میں بھی برکت

دی تھی اوران کے ذریعہ فقہ شافعی کی اشاعت خوب ہوئی۔

قوتِ حفظ کا یہ عالم تھا کہ خود ان کا بیان ہے لو احترقت کتب الشافعی املیتھا من حفظی۔ یعنی اگر امام شافعی کی ساری کتابیں جل جائیں تو میں اپنے حفظ سے ان کو املا کرادوں گا۔ اس سے ان کے علم، ان کے حافظہ، اوران کی جامعیت اوران کے براعت وکمال کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

آپ کو جامع طبرستان میں آپ ہی کے خاندان کے کسی آدمی نے شہید کر ڈالا۔ آپ کی شہادت کا دن جمعہ اور عاشورا کا تھا۔

(دیکھو البدایہ والنہایہ صفحہ ۱۷۱/۱۲)

ابو بکر محمد بن ابو مظفر سمعانی

ولادت ——— وفات سنہ ۵۱۰ھ

امام زمانہ اور محدثِ یگانہ تھے۔ بغداد، کوفہ، ہمدان، اصبہان وغیرہ بلادِ اسلامیہ میں گشت کیا اور حدیث سنی مختلف فنون میں دستگاہ رکھتے تھے۔ فقہ، خلافیات اور علم حدیث میں اپنے معاصرین میں امتیازی حیثیت کے مالک تھے۔ رجال، انساب اور تاریخ کی معرفت میں افرادِ زمانہ میں شمار ہوتے تھے۔ تقویٰ، طہارت اور بزرگی میں معروف تھے۔ بادشاہ اور امرا ان کے قدردان تھے۔

وعظ نہایت خوبی اور عمدگی سے کہتے تھے اور اثنائے وعظ میں جو حدیثیں آیا کرتیں ان کو سنداً و متناً پڑھا کرتے تھے۔ وعظ ان کا مقبول عام تھا اور حاضرین کی باتوں پر انکا اثر تھا چونکہ ان کے وعظ میں احادیث کی کثرت ہوتی اور ہر حدیث کو سند کے ساتھ بیان کرتے تھے اس لیے بعضوں کو یہ خیال ہوا کہ یہ احادیث کی سندیں خود اختراع کر لیا کرتے ہیں۔ شدہ شدہ یہ بات ان کے کانوں میں بھی پڑی بلکہ ایک دفعہ کسی نے دورانِ وعظ ہی میں ایک پرچہ پر لکھ کر یہ بات ان تک پہونچا دی۔ انھوں نے پرچہ پڑھا اور "من کذب علی متعمداً" والی حدیث کو ستر سندوں سے اسی وقت بیان کر کے کہا کہ کسی کو حدیث کی معرفت حاصل ہو تو وہ سامنے آئے اور وہ دس حدیثوں کو سند اور متن غلط ملط کر کے میرے سامنے پیش کرے اور ان میں سے جو کلمہ اور جو حرف بھی چاہے ساقط کر دے اگر میں اس کی تمیز نہ کر سکوں تو معترض کی بات صحیح ہے۔ لوگوں نے امتحاناً ایسا ہی کیا۔ آپ نے ہر ہر حدیث کے متن اور سند کو ناموں کو اس کے کلمات والفاظ کو اصل کے مطابق کر کے اپنے حافظہ کا ایسا نقش لوگوں کے دلوں پر جمایا کہ سارا مجمع فرطِ حیرت سے انگشت بدنداں رہ گیا۔

(دیکھو ترجمہ ابن مظفر سمعانی تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۶۰ ج ۴)

ابو سعد احمد بن محمد اصبہانی

ولادت سنہ ۴۶۳ھ　　　　وفات سنہ ۵۴۰ھ

ذہبی نے ان کو الامام، الحافظ، المحدث کے لقب سے یاد کیا ہے۔ علم حدیث میں ان کا بہت بلند مقام تھا۔ ابتدا عمر ہی سے تحصیل حدیث میں لگے تھے اور وقت کے مشاہیر سے استفادہ کیا۔ سولہ سال کی عمر میں بغداد کے سفر پر مشہور محدث ابو نصر زینبی سے حدیث سننے کیلئے نکلے۔ ابھی راستہ ہی میں تھے کہ ان کو ان کی وفات کی اطلاع ملی۔ خبر سنکر روتے تھے اور اپنا سر پیٹتے تھے اور کہتے تھے من ابن علی بن الجعد عن شعبۃ اب کہاں علی بن جعد عن شعبہ کی سند سے مجھ سے کوئی حدیث بیان کریگا۔ تذکرہ میں ہے ابو سعد السمعانی ثقۃ، حافظ، دین، خیر، حسن السیرۃ صحیح العقیدۃ علی طریقۃ السلف ابو سعد سمعانی ثقہ، حافظ حدیث، دیندار، صاحب خیر، حسن عادت سے مزین، سلف کے طریقہ کے مطابق صحیح العقیدہ بزرگ تھے۔

قوت حفظ کی دولت سے نوازے گئے اور امام مسلم کی صحیح انھیں یاد تھی۔ حدیث کا املا اپنے حفظ سے کراتے تھے۔ قلیل الکلام اور کثیر الدموع تھے جب کھانا کھاتے تھے تو آنکھیں ڈبڈبا جاتی تھیں اور فرماتے تھے کان داؤد علیہ السلام یاکل ذیبکی کہ داؤد علیہ السلام کھانا کھاتے تھے اور روتے تھے۔

(دیکھو تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۷۴ ج ۴)

ابو الخیر عبد الرحمن بن احمد الاصبہانی

ولادت سنہ ۵۰۰ھ　　　　وفات سنہ ۵۶۸ھ

عظیم المرتبت اور صاحب مناقب بزرگ تھے۔ حفاظ حدیث میں آپ کا شمار ہے۔ حفظ میں بہت اونچا مقام تھا قال ابن النجار سمع الکثیر بنفسہ وکتب وکان موصوفا بالفضل ومعرفۃ الحدیث ابن بخار فرماتے ہیں خود کثرت سے حدیثیں سنیں اور انہیں لکھا وہ معرفت حدیث اور فضل وشرف سے موصوف تھے۔ حفظِ حدیث میں وقت کے بہت سے مشائخ پر جن کا حفظ میں شہرۂ عام تھا ان کو لوگوں نے فضیلت دی ہے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ حفظ حدیث میں ان کا مقام حافظ ابو موسیٰ اور معمر بن فاخر سے بلند تھا۔

ان کی قوتِ حفظ کی شہادت کیلئے یہی ایک بات کافی ہے کہ ان کو بخاری اور مسلم زبانی یاد تھی قال ابن النجار کان من حفاظ الحدیث سمعت جماعۃ من اصبہان یقولون انہ کان یحفظ الصحیحین ابن بخار نے کہا کہ ان کا شمار حفاظ حدیث میں سے ہے اور میں نے مشائخ اصبہان کی ایک جماعت سے یہ بات سنی کہ ان کو صحیحین زبانی یاد تھی اور اس پختگی کے ساتھ یاد تھی کہ اگر کوئی متن پڑھتا تو یہ اس حدیث کی سند بیان کر دیتے اور اگر کوئی سند پڑھتا تو یہ اس کا متن پڑھ دیتے کان عبد اللہ الجبائی یقول، کان ابو الخیر یحفظ البخاری ویقول من اراد ان یقرأ الاسناد حتی اقرأ المتن ومن اراد ان یقرأ المتن اقرأ الاسناد عبد اللہ جبائی فرماتے ہیں کہ ابو الخیر کو بخاری یاد تھی اور کہا کرتے تھے کہ جو چاہے متن پڑھے میں سند پڑھتا ہوں اور جو چاہے سند پڑھے میں متن پڑھتا ہوں۔

(دیکھو ان کا ترجمہ تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۱۱۲ جلد ۴)

محمد بن سہل العطار ابوالعلار ہمدانی

ولادت ۴۸۸ھ
وفات ۵۶۹ھ

مشہور فاضل علامہ اور محدث تھے۔ حدیث، لغت اور نحو کے امام تھے۔ ابو علی حداد سے قرات کا علم حاصل کیا تھا ابو العز القلانسی ابو عبداللہ البارع، اور ابو بکر المرزوقی، ابوالقاسم بن بیان، ابو علی بن تبہان اور ابن حصین کے علاوہ ایک کثیر تعداد سے علوم وفنون میں مہارت بہم پہونچائی۔ ابو سعد سمعانی فرماتے ہیں حافظ، متقن، مقری، فاضل، حسن السیرۃ ومرضی الطریقۃ، عزیز النفس، سخی بما یملکہ، مکرم للغرباء، یعرف القرأت والحدیث والادب معرفۃ حسنۃ سمعت منہ۔ یعنی وہ حافظ متقی، فاضل، قاری اچھی عادت اور عمدہ طریقہ والے، صاحب عزت نفس سخی، مسافروں کی عزت کرنیوالے تھے اور ان کو قرات، حدیث، اور ادب کی اچھی معرفت حاصل تھی۔

حافظ عبدالقادر فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ ابو العلار اس بات سے کہیں زیادہ مشہور ہیں کہ ان کا تعارف کرایا جائے بلکہ وہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کا وجود نادر ہو چکا ہے۔ اپنے معاصرین سے سماع حدیث میں بہت زیادہ فائق تھے۔ حدیث کے متعلقات، انساب، تاریخ، اسماء کنی، قصص، سیر وغیرہ کے حفظ میں اپنے ہمعصر محدثین میں ممتاز تھے۔

علم اور حافظہ کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ ان کی مجلس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک فتویٰ پیش کیا گیا تو اسی مجلس میں بلا مراجعت کتاب ان کی سیرت میں ایک طویل کاپی لکھدی۔ متعدد کتابوں کے حافظ تھے۔ کتاب الجمہرہ جو ادب ونحو کی مشہور کتاب ہے وہ انھیں زبانی یاد تھی۔ امام ہروی کی کتاب "الغریبین" کے بھی حافظ تھے۔

مال ودولت اللہ نے بہت دے رکھا تھا فتوحات کا دروازہ کھلا تھا مگر آپ نے ان مالوں کو اپنے لئے اندوختہ نہیں کیا بلکہ طلبائے علوم دینیہ کی آپ اس سے خدمت کرتے

تلامذہ اور حاضرین مجلس کی ضرورتوں کو معلوم کرتے اور بلا سوال ان کی ضرورتوں کو پوری کرتے اپنے تلامذہ سے غایت درجہ تعلق تھا اگر کبھی دعوت ہوتی تو اپنے ساتھ اپنے تلامذہ کو لیکر جاتے خود ان کی انتہائی تعظیم کرتے۔

امراء زمانہ سے کنارہ کش رہتے اور ان کا کوئی ہدیہ قبول نہ کرتے اس کا نتیجہ یہ تھا کہ آپ کلمۂ حق بلا خوف لومۃ لائم کہتے اور بڑے سے بڑے امیر کو بھی اس کی غلط روش پر ٹوک دیتے۔

نماز کا اس درجہ اہتمام تھا کہ حافظ عبدالقادر کا بیان ہے کہ میں نے ان سے اچھی نماز پڑھنے والا نہیں دیکھا۔ ان سب کے ساتھ آپ کثیر التصانیف بھی تھے۔ ایک کتاب "زاد المسافرین" پچاس جلدوں میں تصنیف کیں۔ قرات میں متعدد جلدیں تالیف فرمائیں۔ ایک کتاب اسی فن کی دس جلدوں میں مکمل ہوئی۔ اللہ نے ان کی تصانیف کو قبول عام بخشا تھا۔ ان کے زمانہ ہی میں یہ تصانیف اطراف عالم میں پھیل چکی تھی۔

(تذکرہ صہ ۱۱۴ ج ۴)

ابن عساکرؒ

ولادت سنہ ۴۹۹ھ　　　　وفات سنہ ۵۷۱ھ

علی بن حسین بن ہبتہ اللہ بن عساکر دمشقی دمشق کے اعیان علماء اور اکابر اہل حدیث میں سے تھے۔ حدیث و تاریخ میں اپنے زمانہ میں فرد فرید تھے۔ کثرت تصانیف میں یگانہ اور یکتا تھے۔ قوتِ حفظ اللہ کی جانب سے خاص طور پر ودیعت کی گئی تھی۔ ان کی ساری کتابیں تحقیق و تدقیق، جامعیت اور حسن ترتیب میں بینظیر ہیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ ان کے زمانہ میں ان سے بڑا کوئی دوسرا عالم نہیں تھا۔ ابن کثیر کا بیان ہے۔

کان احد اکابر حفاظ الحدیث و من عنی بہ سماعاً و جمعاً و تصنیفاً و اطلاعاً و حفظاً لاسانیدہ و متونہ و اتقاناً لاسالیبہ و فنونہ

یعنی حفاظ احادیث میں سے بڑے حافظ حدیث تھے اور ان لوگوں میں سے تھے جنھوں نے علم حدیث کے ساتھ خاص اہتمام فرمایا سنا بھی، جمع بھی کیا۔ اسانید اور متون کو محفوظ بھی کیا اس سے واقفیت حاصل کی اس کے اسالیب اور فنون کو پختگی کے ساتھ حاصل کیا۔

آپ کی سب سے عظیم تصنیف تاریخ شام ہے جو تاریخ میں بینظیر کتاب ہے۔ یہ کتاب اسی جلدوں میں ہے اور حق یہ ہے کہ اس طرح کی کتابیں جو کسی ایک شہر کے متعلق اتنی تفصیلی معلومات اپنے اوراق میں محفوظ کئے ہوں اسلامی کتبخانوں میں بہت کم ہے۔ ابن کثیر کا اس کتاب کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل تاثر ہے۔

"تاریخ شام اسی جلدوں میں تصنیف کیا جو ان کے بعد باقی رہنے والی اور زندہ جاوید تصنیف ہے۔ متقدمین مورخین کی کتابوں پر یہ ایک نادر اضافہ ہے اور آنے والے مورخین کو انھوں نے تعب اور مشقت میں ڈالدیا ہے۔ تاریخ میں واقعہ یہ ہے کہ وہ گوئے سبقت لیگئے۔

جو اس تاریخ میں غور و خوض کو کام میں لائے گا وہ یقیناً اس نتیجے پر پہونچے گا کہ اس فن میں یکتائے زمانہ ہیں اور بلندی کے سب سے اونچے مقام کو حاصل کرنیوالے ہیں۔

اس عجیب وغریب اور مطول ومفصل تاریخ کے علاوہ بھی ان کی علم حدیث اور دوسرے فنون میں بھی متعدد کتابیں ہیں مثلاً اطراف الکتب الستۃ، الشیوخ النبل، تبیین کذب المفتری علی ابی الحسن الاشعری وغیرہ۔

ابن کثیر کا بیان ہے کہ ابن عساکر نے حدیث کیلئے کثرت سے سفر کیا اور اقالیم وامصار کی مسافتوں کو طے کیا اور کتب، حدیث کی وہ نادر کتابیں انھوں نے حاصل کیں جو ان سے پہلے دوسروں کو حاصل نہ ہوسکیں۔

شام میں ان کا خاندان بہت مقتدر شمار ہوتا تھا۔ اور اس خاندان میں پشتہا پشت سے علم کا بازار گرم تھا۔ جاہ وشرف، بزرگی وبلند منصبی، جود وسخا میں یہ خاندان ہمیشہ سے معروف رہا ہے۔

ان کی جلالت: قدر اور عظمت شان کا پتہ اس سے چلتا ہے کہ ان کے جنازہ میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے شرکت کی تھی۔

۵۷۱ھ میں بہتر سال کی عمر میں اس دار فانی سے کوچ کیا اور دمشق ہی میں مقابر باب الصغیر میں مدفون ہوئے۔

(دیکھو البدایہ والنہایہ صفحہ ۲۹۴/۱۲، اتحاف النبلاء صفحہ)

عبدالرحمٰن ابن ابی الحسن علی ابن الجوزی

ولادت سنہ ۵۱۰ھ　　　　وفات سنہ ۵۹۷ھ

خانوادۂ صدیقی کے فرد ممتاز، علوم اسلامیہ کے مسلم امام، خطابت و وعظ کے مرد میدان، کثرت تصنیف و تالیف میں بے مثال۔ جودت طبع، قوت حفظ اور کثرت استحضار میں یکتائے زمانہ تھے مسلکاً حنبلی تھے۔ امام ذہبی نے ان کا ترجمہ ان کلمات سے شروع کیا ہے الامام، العلامہ، الحافظ، عالم العراق واعظ الآفاق۔

ان کے خاندان کے کسی فرد کے گھر میں جوزہ (اخروٹ) کا درخت تھا۔ اسی وجہ سے یہ حضرات جوزی کہلائے۔ لوگوں نے کہا کہ اس وقت شہر واسط میں صرف ایک گھر میں یہ درخت تھا اس سبب سے اس گھر والوں کو جوزی کہا جانے لگا۔

آپ کو جن مشائخ سے شرف تلمذ حاصل ہے ان کی تعداد ستاسی بتلائی جاتی ہے امام ذہبی فرماتے ہیں کہ آپ نے استاد قاسم سے اتنا لکھا ہے کہ جس کا بیان ممکن نہیں ہے۔

دس سال کی عمر سے وعظ کہنا شروع کردیا تھا اور تا دم حیات وعظ کا سلسلہ جاری تھا اسلامی تاریخ میں ایسی مثال بہت کم ہے کہ کسی کا وعظ اتنا موثر اور اتنا مقبول رہا ہو۔ پچاس سال سے زیادہ عرصہ تک آپ وعظ کہتے رہے۔ وعظ کی مجلس میں ہزاروں کی تعداد میں لوگ شریک ہوا کرتے تھے۔ بلکہ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ کبھی کبھی مجلس وعظ میں شرکا کی تعداد ایک لاکھ تک پہونچ جایا کرتی تھی۔ عوام و خواص، امراء و خلفاء، عالم و جاہل سب ان کے وعظ میں ذوق و شوق سے شریک ہوتے۔ امام ذہبی لکھتے ہیں۔

حصل لہ من الحظوۃ فی الوعظ مالم یحصل لاحد قط، حضر مجالسہ

ملوک و وزراء بل خلفاء من وراء الستر ویقال فی بعض المجالس حضرۃ مائۃ الف یعنی جو مقبولیت وعظ میں ان کو حاصل تھی وہ کسی اور کو حاصل نہ ہوئی۔ بادشاہ وزراء بلکہ خلفاء تک پس پردہ ہو کر ان کی مجالس میں شریک ہوا کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ بعض مجلسوں میں شرکاء کی تعداد ایک لاکھ تک ہوتی تھی۔

اسلام کی طویل اور ممتد تاریخ میں ان جیسے کثیر التصانیف مولف معدودے چند ہوئے ہیں۔ ان کی قوت حافظہ، استحضار علمی، اور سرعت کتابت اور تاثیر وعظ کا اندازہ اس سے لگائیں کہ ان کے نواسے فرماتے ہیں۔ سمعت جدی یقول علی المنبر:۔ کتبت باصبعی الفی مجلد وتاب علی یدی مائۃ الف واسلم علی یدی عشرون الفا۔ یعنی میں نے اپنے نانا کو ممبر خطابت پر یہ کہتے سنا کہ میں نے اپنی انگلی سے دو ہزار مجلدات لکھی ہیں اور میرے ہاتھ پر ایک لاکھ انسان تائب ہوئے ہیں اور بیس ہزار غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا ہے۔

امام ذہبی فرماتے ہیں ما علمت احداً من العلماء صنّف ما صنف ھذا الرجل اس آدمی نے جتنا لکھا مجھے معلوم نہیں کہ کسی اور نے بھی اتنا لکھا ہو۔

اور تعجب تو یہ ہے کہ بعض تصانیف آپ کی کئی جلدوں میں ہیں۔ ان کی ایک کتاب علوم قرآن میں "المغنی" ہے جس کے بارے میں ذہبی لکھتے ہیں کبیر جدًا۔ "زاد المسیر" چار جلدوں میں ہے "جامع المسانید" سات جلدوں میں ہے۔ "مشکل الصحاح" چار جلدوں میں ہے۔ ایک کتاب تاریخ میں "المنتظم" دس جلدوں میں ہے۔ ایک کتاب "فنون ابن عقیل" ہے وہ بھی دس جلدوں میں ہے۔

یہ ان کی تصانیف میں سے چند کتابوں کے نام ہیں۔ ذہبی نے ان کی تصانیف کی ایک طویل فہرست ذکر کی ہے لیکن اس کے بعد بھی فرماتے ہیں واشیاء کثیرۃ یطول ذکرھا یعنی ان کے علاوہ اور بھی بہت چیزیں ایسی ہیں جن کا ذکر کرنا باعث طوالت ہے۔

امام ذہبی سبط ابن جوزی سے نقل کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ امام ابن جوزی کی تصانیف کی تعداد ڈھائی سو سے زیادہ ہے۔

سرعتِ کتابت کا عالم یہ تھا کہ ایک دن میں چار چار کاپیاں لکھتے تھے۔ موفق عبداللطیف کا بیان ہے کہ امام ابن جوزی صاف ستھری خصلتوں، عمدہ صورت، شیریں نغمہ، موزوں حرکت

عمدہ مزاج کے آدمی تھے۔ ان کی مجلس وعظ میں ایک لاکھ اور اس سے بھی زیادہ لوگ شریک ہوتے تھے اپنے اوقات کا ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرتے تھے۔ ایک روز میں چار کاپیاں لکھتے تھے۔ ان کو ہر فن میں دسترس حاصل تھی۔ لیکن خاص طور پر تفسیر میں اعیان اہل علم اور حدیث میں حفاظ میں سے تھے۔ تاریخ میں وسیع علم کے مالک تھے اور فقہ میں کافی درک تھا۔

علمی مشغولیتوں کے ساتھ ساتھ عبادت و ریاضت کا بھی کافی اہتمام تھا۔ نہایت جری اور کلمہ حق کہنے میں بیباک تھے۔ امرا اور سلاطین کی جاہ وحشمت ان کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے روک نہیں سکتی تھی۔ طبیعت میں بڑی حد تک حدت اور تیزی تھی۔ عمر کے آخری حصہ میں مبتلائے محن و آزمائش ہوئے۔ حتیٰ کہ قید و بند کی مصیبت بھی پانچ سال تک برداشت کرنی پڑی جب انکا انتقال ہوا تو ان کے جنازہ میں عوام و خواص اور ہر مسلک و ملت کے افراد کا انبوہ عظیم شریک تھا۔

(تذکرہ صفحہ ۱۳۱ ج ۴)

عبدالغنی الواحد الصالحی

ولادت سنہ ۵۴۱ھ ۔ وفات سنہ ۶۰۰ھ

حافظ حدیث اور کثیر التصانیف بزرگ ہیں۔ مسلکاً حنبلی تھے وقت کے مشاہیر علما سے استفادہ کیا اور حدیث میں مہارت بہم پہونچائی۔ معاصرین میں حفظ حدیث میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ متعدد اہل علم اور اصحاب کمال نے ان کے فضل و کمال اور حدیث میں امتیازی شان کی گواہی دی ہے۔ صرف ابوطاہر سلفی سے ایک ہزار جز لکھا۔ ان کی صحبت میں تین سال رہے ابن نجار فرماتے ہیں حدث بالکثیر وصنف فی الحدیث تصانیف حسنۃ وکان غزیر الحفظ من اھل الاتقان والتجوید فہما یجمع فنون الحدیث۔ یعنی کثرت سے حدیث بیان کی اور حدیث میں عمدہ تصانیف فرمائی۔ قوتِ حفظ بہت زیادہ تھی اہل اتقان اور حدیث کو عمدگی کے ساتھ بیان کرنیوالوں میں سے تھے۔ نہایت فہیم اور فنون حدیث کے جامع تھے۔

محمود بن ہمام کندی سے ناقل ہیں کہ حافظ عبدالغنی نے اپنا مثل نہیں دیکھا ہے اور حافظ ضیاء فرماتے ہیں کہ میں نے محدثین میں عبدالغنی کا مثل نہیں دیکھا ہے۔

پابند اوقات اتنے تھے کہ اپنے وقت کا ایک لمحہ بھی ضائع نہیں ہونے دیتے تھے۔ ابن نجار کا بیان ہے وکان لایضیع شیئاً من اوقاتہ، یعنی اپنے اوقات کا کوئی حصہ ضائع نہیں کرتے تھے۔ عادت یہ تھی کہ فجر کے نماز کے بعد قرآن یا حدیث کا درس دیتے اور پھر وضو کرتے اور تین سو رکعتیں نفل پڑھتے۔ ظہر تک اس سے فراغت ہوتی۔ پھر تھوڑا سا آرام کرتے اور ظہر کی نماز ادا کرکے پھر حدیث بیان کرتے یا ذکر واذکار میں لگ جاتے اور یہ سلسلہ مغرب تک جاری رہتا۔ مغرب کے وقت اگر روزہ سے ہوتے تو افطار کرتے اور عشا کی نماز پڑھ کر سو جاتے نصف شب میں اٹھکر فجر تک اوراد ونوافل میں مشغول رہتے اور پھر فجر سے پہلے تھوڑا

سا سوتے۔ ابن نجار فرماتے ہیں ہٰذا دابہ یعنی یہی ان کی عادت تھی۔

رقیق القلب اتنے تھے کہ بیشتر اوقات آپ پر گریہ طاری رہتا۔ وعظ کہتے تو خود بھی روتے اور سامعین کو بھی رُلاتے۔ سنت پر سختی سے عمل کرتے اور بدعت و منکر کے خلاف ہمہ وقت جہاد میں رہتے۔

حافظہ کا عالم یہ تھا کہ ایک لاکھ سے زیادہ حدیث ان کو زبانی یاد تھی۔ حافظ ضیا اسماعیل بن ظفر سے نقل کرتے ہیں کہ ایک آدمی عبد الغنی کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ ایک شخص نے قسم کھائی کہ آپ کو اگر ایک لاکھ حدیث یاد نہ ہو تو اس کی بیوی کو طلاق ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر وہ اس سے زیادہ کی بھی قسم کھاتا تو وہ اپنی قسم میں سچا ہوتا۔

جب کوئی آدمی آپ سے کسی حدیث کے بارے میں سوال کرتا تو آپ حدیث کو پڑھ کر اس کی سند بھی بیان کر دیتے اور اگر راوی کے بارے میں سوال کرتا تو اس کا نسب اور نسبت کو بھی بیان کر دیتے۔ تاج کندی کا بیان ہے کہ امام دارقطنی کے بعد اس جیسی شان کا کوئی دوسرا محدث نہیں ہوا۔

حدیث اور اس کے علاوہ دوسرے علوم میں آپ کی تصانیف بہت ہیں۔ کثرت کتابت کی وجہ سے ایک آنکھ کمزور ہو گئی تھی۔ المصباح نام کی کتاب اڑتالیس جز میں لکھی۔ نہایۃ المراد،، دو سو جلد میں تصنیف کی لیکن اس کی تبییض کا موقعہ آپ کو نہیں ملا۔ ایک کتاب ،، الکمال،، دس جلدوں میں ہے اس کے علاوہ اور بھی تصانیف ہیں جن میں سے کچھ کا تذکرہ ذہبی نے اپنے تذکرہ میں کیا ہے۔

ابو نعیم کی معرفتِ صحابہ نامی کتاب پر آپ نے تنقید کی جس کی وجہ سے کچھ لوگوں نے آپ کی مخالفت پر کمر بستہ ہو کر آپ کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا۔ آپ نے روپوش ہو کر اپنی جان بچائی۔

مبتدعین پر آپ شدت سے نکیر کیا کرتے تھے جس کی وجہ سے کئی دفعہ آپ کے قتل کا منصوبہ بنایا گیا ایک دفعہ ان کی جانب سے اعلان ہوا کہ جو آپ کو قتل کرے گا اسے پانچ ہزار روپیہ دیا جائے گا۔ لیکن اللہ نے آپ کو ان کے شر سے محفوظ رکھا۔

آپ انتہا سخی اور کریم النفس تھے جو کچھ آتا سب لٹا دیتے تھے کبھی راتوں کو

نکلا کرتے اور فقرا اور مساکین کے دروازوں پر روپیوں کی تھیلیاں رکھ کر چپکے سے واپس ہو جاتے۔ اور خود ان کا عالم یہ تھا کہ پیوند لگا ہوا کپڑا پہنتے۔

قبولیتِ عامہ کا عالم یہ تھا کہ جب آپ بازار نکلا کرتے تھے تو اس قدر مجمع اکٹھا ہوتا تھا کہ کثرتِ ازدہام کی وجہ سے چلنا دشوار ہو جاتا۔ آپ سے لوگ برکت کی دعائیں کراتے اور اپنی دوکانوں پر کھڑے ہو کر آپ کو محبت سے دیکھا کرتے۔

(دیکھو تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۱۶۰/۴ ج)

محمد بن یحییٰ العبدری المعروف بالصدفی

ولادت ــــــ

وفات ۶۵۱ھ

محمد بن یحییٰ بن محمد عبدری کبار حفاظ اور ائمہ لغت و نحو میں سے ہیں۔ حفظ و اتقان تبحر علمی، زہد و تقویٰ تواضع و انکساری میں مشہور زمانہ تھے۔ ابن زبیر ان کا تعارف کراتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"عربیت کے امام ادب اور لغت کے واقف کار ہیں، متکلم، اصولی، فقیہ، متقن، حافظ ماہر، عالم، زاہد۔ ورع فاضل ہیں۔ بہترین قرأت کرنیوالے اور عمدہ عبارت پڑھنے والے ہیں۔ دین میں مضبوط، پرہیزگار، متقی، متواضع اور جلیل القدر الشان ہیں۔ میری ملاقات جن سے ہوئی ان میں سب سے زیادہ جلیل القدر اور علوم و فنون کے جامع تھے۔ قوی الحفظ اور سریع القلم تھے۔

فاس میں درس و تدریس کی مجلس قائم کی۔ زندگی زاہدانہ، اور عابدانہ تھی۔ تقویٰ اور طہارت میں اونچا مقام رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ شہادت پانے کی دعا مانگا کرتے تھے۔ یہ دعا مستجاب ہوئی اور مرسیہ کی جنگ میں جام شہادت نوش کر کے اپنے پروردگار سے جا ملے۔

قوت حفظ کے بارے میں خود ان کا بیان ہے کہ ماسمعت شیئاً من نکت العلم الا قیدتہ وما قیدتہ شیئاً الا حفظتہ، وما حفظت شیئاً فنسیتہ، یعنی علم کا کوئی ایسا نکتہ نہیں ہے جسے سنکر میں نے نوٹ نہ کرلیا ہو اور جس چیز کو میں نے نوٹ کرلیا اس کو یاد بھی کرلیا اور جو چیز یاد ہوگئی وہ یاد رہی پھر اسے بھولا نہیں۔

(بغیۃ الوعاۃ صف ۱۱۵)

تقی الدین ابو عبداللہ بعلبکی

وفات سنہ ۶۵۸ھ

ولادت سنہ ۵۷۲ھ

تقی الدین ابو عبداللہ محمد بن ابی الحسن ساتویں صدی ہجری کے مشہور محدث ہیں۔ وطن بعلبک تھا۔ فقہ میں امام احمد بن حنبل کے پیرو تھے۔ شیخ عز الدین سے فقہ حاصل کیا اور شیخ عبداللہ یونینی کی خدمت میں عرصہ دراز تک رہے اپنے وقت کے مشاہیر علماء سے علمی استفادہ کیا اور حدیث میں براعت و مہارت بہم پہونچائی۔

بچپن ہی میں والد کا انتقال ہو گیا تھا۔ والدہ کی تربیت اور نگہداشت میں ابتدائی منزلیں طے کیں۔ حافظ ابن عمر حاجب نے ان کی بڑی تعریف کی ہے اور ان کی شان میں بڑے اونچے کلمات استعمال کئے ہیں فرماتے ہیں کہ اشتغل بالفقہ والحدیث الیٰ ان صار اماما حافظاً حدیث اور فقہ میں مشغول ہوئے یہانتک کہ امام اور حافظ حدیث ہو گئے۔ نیز فرماتے ہیں لم یرنی زمانہ مثل نفسہ فی کمالہ و براعتہ جمع بین علمی الشریعۃ والحقیقۃ وکان حسن الخَلق نفاعاً للخلق مطرحاً للتکلف یعنی انھوں نے اپنے زمانہ میں کمال اور علم و مہارت میں اپنی نظیر نہیں دیکھی۔ علم شریعت اور حقیقت کے جامع تھے۔ جمال شکل و صورت اور حسنِ خلق سے متصف تھے۔ مخلوق کو بہت نفع پہونچانے والے اور تکلف سے دور تھے۔

حافظہ ان کا مشہور زمانہ تھا۔ حمیدی کی الجمع بین الصحیحین کے حافظ تھے۔ صحیح مسلم بھی ان کو زبانی یاد تھی۔ مسند احمد کا اکثر حصہ زبانی بھی پڑھا کرتے تھے۔ ایک جلسہ میں ستر سے زیادہ حدیثیں یاد کر لیا کرتے تھے۔ صحیح مسلم جیسی ضخیم کتاب کو صرف چار ماہ میں حفظ کر لیا تھا اور سورۂ انعام کو ایک دن میں یاد کر لیا تھا۔ مقامات حریری

جو ادب کی مشہور کتاب ہے دن کے تھوڑے سے حصے میں اس کے تین مقامے یاد کر لیا کرتے تھے۔

زہد و ورع اور تقویٰ و طہارت میں مشہور تھے۔ ذہبی کا بیان ہے کہ صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے۔

(دیکھو تذکرہ ص ۲۲۳/۴۷)

ابن تیمیہ

ولادت ۶۶۱ھ وفات ۷۲۶ھ

شیخ الاسلام احمد بن عبد الحلیم المعروف با بن تیمیہ تاریخ اسلام کی نادرۂ روزگار شخصیتوں میں سے ہیں جو صدیوں بعد کبھی کبھی پیدا ہوا کرتی ہیں اور جن کا وجود امت کے لئے مایۂ فخر و ناز ہوا کرتا ہے۔ حران میں پیدا ہوئے بعد میں دمشق میں ان کے خاندان نے سکونت اختیار کر لی۔ اسی وجہ سے ان کو حرانی و دمشقی دونوں نسبتوں سے یاد کرتے ہیں۔

عبد الدائم قاسم اربلی، مسلم ابن علان ابن ابی عمر، شمس احمد بن عطار حنفی۔ مجد الدین ابن عساکر یحییٰ بن صیرفی، فقیہ، احمد ابن ابی الخیر حداد اور ان کے علاوہ بہت سے مشائخ زمانہ سے مختلف علوم وفنون کی تحصیل کی، زمانہ طفولیت ہی سے ذکاوت و ذہانت کے کواکب درخشاں جبین سعادت پر جگمگا رہے تھے۔ ہوش و خرد کی منزل میں قدم رکھتے ہی فطری اور وہبی صلاحیتیں ظاہر ہونا شروع ہوئیں اور ابھی عمر کی ابتدائی منزل ہی میں تھے کہ قوت حافظہ، کثرت استحضار، بےنظیر ذکاوت وذہانت، شجاعت و تہور، کثرتِ علم، وسعت معلومات، معقولات و منقولات میں تبحر، دقت نظر اور سلف کے مذاہب پر مجتہدانہ نظر رکھنے میں اپنے اقران و معاصرین پر سبقت لے گئے اور اپنی شخصیت کا ابنائے زمانہ سے لوہا منوالیا۔

بعض لوگوں نے ان کو حنبلی اور بعض نے مجتہد مطلق کہا ہے۔ نواب صدیق حسن خاں نے اتحاف النبلاء میں لکھا ہے "ملتزم بمذہب نمی شد بلکہ بآنچہ دلیلش نزد وے قائم شدہ،، یعنی کسی خاص مذہب کے پابند نہیں تھے قرآن وحدیث سے جو ان کے نزدیک دلیل قائم ہوتی اس کو اختیار کرتے بڑے بڑے محدثین اور اعیان فضل وکمال نے ان کی رفعتِ مقام اور علم وفن میں نادرۂ روزگار ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ ذہبی کا بیان ہے کہ اگر میں مقام اور رکن کے مابین قسم کھاؤں کہ میری نگاہ نے ابن تیمیہ کے مثل اور ابن تیمیہ نے اپنا مثل نہیں دیکھا ہے تو میں قسم کھا سکتا

ہوں۔ نیز ذہبی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ابن تیمیہ کو رجال جرح و تعدیل، طبقات محدثین و رواۃ اور حدیث میں معرفت تامہ حاصل تھی۔ حدیث کی صحت و سقم سے پوری طرح باخبر تھے۔ حدیث کو متون کے ساتھ یاد رکھنے میں منفرد تھے اور ان سارے فنون میں ان کے زمانہ میں کوئی اس مرتبہ کا دوسرا نہیں تھا۔ ابوالحجاج مزی کہا کرتے تھے کہ چار سو سال سے اور ابن زملکانی کہتے تھے کہ پانچسو سال سے اس شان کا کوئی آدمی پیدا نہیں ہوا۔

قوتِ حافظہ اور کثرت استحضار کا عالم یہ تھا کہ پوری پوری کتابیں تصنیف کر جاتے تھے اور کسی کتاب کی مدد اور مراجعت کی ضرورت نہیں پڑا کرتی تھی جبکہ وہ اپنی کتاب میں کثرت سے آیات و احادیث علماء کے اقوال، فقہی مسائل اور دوسری علمی چیزیں متقدمین و متاخرین کی اس کثرت سے پیش کرتے ہیں کہ پڑھنے والا حیران ہو جاتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرآن و احادیث اور علماء سلف کی ساری کتابیں آپ کے سامنے کھلی پڑی ہیں اور ان میں سے دیکھ کے ان نصوص کو نقل کیا جا رہا ہے۔

جمال الدین سرمری کا بیان ہے کہ ابن تیمیہ کسی کتاب سے سرسری طور پر گذرتے تھے اور وہ کتاب ان کے ذہن میں بالکل مرتسم ہو جاتی اور وہ پھر اس کتاب میں سے اپنی تصانیف میں اسی لفظ اور معنیٰ کے ساتھ جو چاہتے ذکر کرتے۔ اقشہری کا بیان ہے کہ ابن تیمیہ کو ہر فن میں ید طولیٰ حاصل تھا، اور ان کی زبان اور ان کا قلم دونوں قریب قریب تھے جب کبھی منبر پہ وہ وعظ کے لئے تشریف لیجاتے تو لوگوں کا بیان ہے کہ وہ تھوڑی دیر میں قرآن و حدیث اور تفسیر کے نصوص اس کثرت سے پیش کرتے کہ دوسرا آدمی چند مجلسوں میں بھی اتنا پیش نہیں کر سکتا تھا۔ گویا یہ سارے علوم ان کی نگاہ کے سامنے ہیں اس میں سے جو چاہیں لیں اور جسکو چاہیں چھوڑ دیں۔ نواب صدیق حسن خاں صاحب فرماتے ہیں کہ "در غیر واحد گفتہ اند کہ نبود چیزے یاد کند و آں را فراموش سازد"، یعنی متعدد لوگوں کا بیان ہے کہ کبھی کسی چیز کو یاد کر کے انھوں نے پھر اسے بھلا دیا ہو ایسا کبھی نہیں ہوا۔ یہی نواب صاحب لکھتے ہیں کہ ایک دن اور ایک رات میں چار چار کاپیاں بلکہ اس سے بھی زیادہ مختلف فنون، تفسیر، فقہ، اصول، رد فلاسفہ وغیرہ میں لکھ لیا کرتے تھے۔ عقیدہ حمویہ کو ایک نشست میں تمام کر ڈالا اور یہ رسالہ چار کاپی سے زیادہ کا ہے اور بعض اوقات ایک روز میں اتنا لکھتے کہ پوری پوری

جلد کا بیضہ تیار ہو جاتا۔

آپ کی مولفات بہت ہیں۔ ان کتابوں نے فکر و ذہن میں انقلاب برپا کیا۔ اور بد عات وخرافات اور رسوم جاہلیہ اور عوائد آبا و اجداد اور عقائد باطلہ پر یہ کتابیں صاعقۂ آسمانی بن کر ٹوٹیں اور زمانہ نے ان کتابوں سے جتنا استفادہ کیا اور فکر و ذہن کی ان کتابوں سے جتنی اصلاح ہوئی امت کے کم وہ سعید بخت لوگ ہیں کہ جن کی تصانیف کا اتنا اثر ہوا ہو ابن تیمیہ کی کتابوں کی بڑی خصوصیت جس کی وجہ سے ہر مخالف سرنگوں ہو جاتا ہے یہ ہے کہ آپ اپنی ہر بات کو قرآن وحدیث کی تائید سے اس درجہ مضبوط کر دیتے ہیں کہ بڑے سے بڑا معاند و مکابر بھی اپنے عجز وجہل کے اعتراف پر مجبور ہو جاتا ہے۔ محو بدعت اور اقامت سنت میں آپ کی کتابوں کو بڑا دخل ہے۔ البتہ ان کتابوں میں کہیں کہیں جو زبان کی تیزی ہے اگر یہ کتابیں ان سے پاک ہوتیں تو ان کتابوں کا فائدہ دو چند ہوتا اور لوگ اس سے بہت زیادہ استفادہ کرتے۔

ابن تیمیہ نے کتابوں کے علاوہ اپنے شاگردوں کی ایسی جماعت بھی تیار کر دی تھی جس نے ان کے بعد ان کے مشن کو زندہ رکھا ان کے افکار وآراء کو نہایت عمدہ انداز میں عام اور شائع کیا اور اپنے زور قلم سے ان کے علوم کو پائندہ کر دیا۔ خاص طور پر ابن قیم کا نام ان میں سر فہرست ہے جو آپ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ اور جنھوں نے اپنے استاد کے نام کو اپنے علم وکمال سے چار چاند لگا یا۔

ابن قیم نے نہ صرف اپنے استاد ابن تیمیہ سے کسب علم ہی پر اکتفا کیا بلکہ ان کی صحبت میں طویل مدت تک رہ کر ان کے علم کو اپنے اندر جذب کر لیا اور ان کی ہر مصیبت و مسرت کے شریک وسہیم رہے۔ قید وبند کی زندگی میں ان کے رفیق وغمگسار رہے۔

ابن تیمیہ کو اپنی زندگی میں مختلف آزمائشوں سے گذرنا پڑا۔ یہ آزمائش حساد زمانہ کی وجہ سے انھیں برداشت کرنی پڑیں اور اپنے ان تفردات کی وجہ سے جو عام اہل علم کے مذاق کے خلاف تھے۔ اور بعض ان مسائل کی وجہ سے جنھیں واقعتہ ابن تیمیہ سے لغزش ہوئی مگر جہاں ان کی شخصیت کا تعلق ہے اور ان کے مقام کی بات ہے تو وہ بلاشبہ افراد زمانہ میں سے تھے۔

اور عجیب بات یہ ہے کہ جب بھی ان پر کوئی مصیبت آئی تو حنفی ہی علمار ابن تیمیہ کا دست و بازو بنتے اور ان کی حمایت و نصرت کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے۔ بہت سے ایسے مواقع آئے کہ علمار احناف کی وجہ سے ابن تیمیہ کی جان بخشی ہوئی۔ شمس الدین ابن الحریری قاضی دمشق جو مسلکاً حنفی تھے ایسے موقعہ پر ابن تیمیہ کی ہمنوائی کی جبکہ شافعی اور مالکی علمار ان کے قتل کے محضر پر دستخط ثبت کرچکے تھے ابن حجر لکھتے ہیں۔

انّ جمیع من یحضر من القضاۃ والشیوخ والفقراء والعلماء والعوام یحطون علیٰ ابن تیمیۃ الا الحنفی فانہ یتعصب لہٗ۔

یعنی سبھی حاضرین، قضاۃ، شیوخ، فقرا، علمار، عوام ابن تیمیہ کے خلاف تھے سوائے حنفی کے کہ وہ ابن تیمیہ کی ہمنوائی کرتا تھا۔

اور اس سے عجیب تر بات یہ ہے کہ ابن تیمیہ کے حامیوں کے ہاتھ سے سب سے زیادہ احناف ہی کو نقصان پہونچا اور ان کی زبان و قلم کی توانائیاں اسی مذہب حنفی کی مخالفت میں ہمیشہ سے ارزاں رہیں۔ فالی اللہ المشتکی۔

(اتحاف النبلاء ترجمہ ابن تیمیہ در کامنہ صفحہ ۱۴۴ ج ۱)

عبداللہ بن موسیٰ زوادی

وفات ۷۳۴ھ

ولادت ۶۹۰ھ

عبداللہ بن موسیٰ بن عمر زوادی مشہور اور جلیل القدر محدث ہیں۔ ابن دقیق العید اور تقی عبید اور مولانہ خاتون بنت الملک العادل وغیرہ سے فقہ اور حدیث کی تحصیل کی اوران دونوں فنوں میں اونچا مقام حاصل کیا۔

مکہ اور مدینہ میں مجاورت اختیار کرلی تھی ملک عادل کی صاحبزادی مذکورہ سے مکہ ہی میں سماعِ حدیث کیا تھا۔

حافظہ ان کا قوی تھا۔ موطا امام مالک نوک بر زبان تھی اوپران کی ولادت ۶۹۰ھ لکھی گئی ہے لیکن ابن حجر نے لکھا ہے کہ "ولد قبل الستین" چھ سو نوے کے پہلے ولادت ہوئی (دیکھو درر کامنہ صفحہ ۳۰۷ / ۲۴)

احمد بن حسن رومی حنفی

ولادت سنہ ۶۵۱ھ　　　وفات سنہ ۷۴۵ھ

احمد بن حسن اصلاً رے کے باشندے تھے۔ پھر روم میں سکونت اختیار کرلی تھی اسی وجہ سے ان کو رومی اور رازی دونوں نسبتوں سے یاد کیا جاتا ہے۔ روم کے ایک مقام "انکوریہ" میں پیدا ہوئے۔

تعلیم کا آغاز قرآن سے ہوا۔ پھر تفسیر، فقہ اور نحو کی تعلیم حاصل کی اور مصر میں رہ کر ان علوم میں اس درجہ مہارت حاصل کرلی کہ صاحب فضل وکمال اور اپنے زمانہ کی ایک مشہور شخصیت شمار کئے گئے۔ ان کے فضل وکمال اور علمائے زمانہ میں ان کی تفوق علمی کا پتہ اس سے چلتا ہے کہ صرف سترہ سال کی عمر میں ان کو عہدۂ قضا سپرد کیا گیا۔ دمشق میں دس سال تک درس و افادہ کی مجلس قائم کی۔ اور یہاں کے قاضی بھی رہے۔

اپنے حسن اخلاق اور عادات کریمانہ کی وجہ سے عوام وخواص میں مقبول و محبوب تھے صدقہ خیرات کثرت سے کیا کرتے تھے۔ دمشق کے بڑے بڑے امراء ان کے شاگرد تھے۔ اس وجہ سے اور بھی عوام میں انکو عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ ان کی شان وشوکت اور جاہ وجلال کا عالم یہ تھا کہ ان کے زمانۂ درس وتدریس میں ان کی اجازت کے بغیر کوئی اپنا حلقہ درس قائم نہیں کرسکتا تھا۔

ذکاوت وذہانت کے ساتھ ساتھ قوت حفظ بھی عجیب وغریب تھی۔ زمانۂ طالبعلمی میں روزانہ تین تین سو سطریں یاد کرلیا کرتے تھے درر کامنہ میں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں :

وکان یحفظ کل یوم من ایام الدرس ثلثمائۃ سطر۔ یعنی ایام درس میں روزانہ تین سو سطریں یاد کیا کرتے تھے۔

(درر کامنہ صفحہ ۱۱۸ ج ۱)

تقی الدین سبکیؒ

ولادت ۶۶۳ھ وفات ۷۵۶ھ

علی بن عبدالکافی تقی الدین سبکی مسلکاً شافعی تھے اور اپنے زمانہ میں تفسیر، فقہ، کلام، لغت، ادب، منطق، جدل و خلاف میں یکتا۔ اور افراد علماء میں سے تھے۔ پوری زندگی دعوت الی اللہ۔ دفاع عن الدین اور تصنیف وتالیف میں گذاری۔ مندرجہ بالا علوم کے سوا بھی تقریباً سبھی علوم پر دسترس تھی۔ ورع، زہد، تقویٰ، اعلاء کلمہ حق، یقین وایمان، جرأت و بے باکی وغیرہ صفات میں بھی آپ کی شان بہت بلند تھی۔ قرآن کی تلاوت بہت کثرت سے کرتے تھے چلتے پھرتے اٹھتے، بیٹھتے قرآن کی آیات ورد زبان رہا کرتی تھی مرض ہو کہ تندرستی تلاوت کا سلسلہ منقطع نہیں ہوتا تھا۔ قلب کی پاکیزگی اور معرفت الٰہی کی دولت سے مالامال تھے۔ مستجاب الدعوات تھے۔ اہل دنیا سے کنارہ کش رہتے جود وسخا کے سمندر تھے۔ عزم وارادہ کے پہاڑ تھے۔ جلال وجمال کی صفت سے متصف تھے۔

بچپن میں اپنے والد سے فقہ کا درس لیا۔ شب وروز کا بیشتر حصہ درس ومطالعہ میں گذرتا تھا۔ لوگوں نے لکھا ہے کہ آپ کے دماغ میں اتنی حدت تھی کہ بکری کا گوشت برداشت نہیں کر پاتے تھے۔ بیس سال تک بکری کا گوشت نہیں کھایا۔ اگر اس کی بو بھی دماغ میں جاتی تو ناقابل برداشت ہوتی۔

ایک زمانہ میں آپ نے قاہرہ میں اقامت اختیار کر لی تھی۔ اس زمانہ میں قاہرہ میں مذہب شافعی کی ریاست آپ ہی کو حاصل تھی۔ اطراف وجوانب سے فتوے آپ ہی کے پاس آتے تھے۔ علمائے شوافع کی قیادت آپ کے سپرد تھی۔

ابتدا ہی سے آپ کو مناظرہ کا شوق تھا۔ اہل جدل وباطل سے خوب خوب مناظرہ کیا

لیکن بعد میں اس سے بالکل کنارہ کش ہو گئے تھے۔ ان کے قابل فخر صاحبزادے تاج الدین سبکی نے طبقات میں ان کے بارے میں لکھا ہے۔

"وہ ہمیں آدھی شب کے بعد سونے سے روکتے تھے اور فرماتے تھے کہ میرے بیٹے شب بیداری کی عادت پیدا کرو اگرچہ یہ وقت کھیل کود ہی میں گذار دو۔ اس پر افسوس ہے جو نصف شب کے بعد سوتا ہے۔ وہ قیام لیل اور ذکر و تلاوت کے ہمیشہ پابند رہے۔ اور نفل نماز پڑھنے سے زیادہ تلاوت کرتے۔ نفل میں تلاوتِ جہری کرتے۔ دن میں بیٹھے ہوں یا لیٹے ہوں ہر وقت تلاوت کرتے رہتے۔ عموماً تلاوت بھی جہری کرتے خواہ حمام میں ہوں یا قصاب خانہ میں روزہ رکھنا ان پر شاق تھا اس وجہ سے رمضان کے علاوہ صرف شوال کے چھ روزے رکھتے۔

جب کوئی پریشانی ہوتی تو اپنا سر ننگا کر لیتے اور گھر کی چھت پر چڑھ جاتے اور اپنی گردن میں رومال باندھ لیتے اور کھڑے ہو کر سر جھکا لیتے اور خاموش رہتے اس وقت ان پر ایسی ہیبت طاری رہتی جس کا بیان دشوار ہے۔ کبھی ایسا ہوتا کہ اپنی ضرورت کو کسی رقعہ میں لکھ کر چھت کی کسی دیوار سے لٹکا دیتے اور پھر چند دن کے بعد چھت سے نیچے اترتے اور یہ اس بات کی علامت ہوتی کہ آپ کی ضرورت پوری ہو گئی۔"

آپ کا شمار کثیر التصانیف بزرگوں میں ہے۔ مفتاح السعادۃ میں ہے کہ آپ کی تصانیف کی تعداد تقریباً ایک سو پچاس ہے۔

آپ کا حافظہ انتہائی درجہ قوی تھا۔ طاش کبری زادہ کا بیان ہے۔

لایکاد یسمع شیئاً الاحفظہ ولا یحفظ شیئاً فنسیاہ وان طال بعدہ عن تذکرہ جمعت لہ الحافظۃ البالغۃ والفھم الغریب یعنی عالم یہ تھا کہ جو بھی سنتے اسے یاد کر لیتے اور جسے یاد کر لیتے کبھی بھولتے نہیں تھے چاہے یاد کرنے کا زمانہ کتنا ہی طویل ہو چکا ہو۔ کمال کا حافظہ اور عجیب فہم دونوں انھیں حاصل تھا۔

قاہرہ میں ان کا انتقال ہوا۔ (مفتاح السعادۃ ج ۲ ص ۲۳)

نوٹ:۔ تاج الدین سبکی نے طبقات الشافعیہ جلد ۶ میں ان کا بڑا تفصیلی تذکرہ کیا ہے میں نے اختصاراً ان کا ترجمہ مفتاح السعادۃ سے لیا ہے۔

اسماعیلُ بنُ محمد لخمی غرناطی

ولادت سنہ ۶۰۸ھ　　　وفات سنہ ۶۷۱ھ

اسماعیل بن محمد لخمی غرناطہ کے مشہور محدث اور صاحب فضل وکمال بزرگ ہیں اپنے شہر غرناطہ کے مشہور علماء سے کسب فیض کرکے قاہرہ دشام میں تحصیل علم کی۔ اور شام میں اقامت پذیر ہوکر شہر حماۃ میں قضا کا منصب سنبھالا۔ پھر خاص شام میں اس عہدہ کو زینت بخشی عرصہ تک شام میں رہے پھر مصر چلے گئے۔ اور جام حیات کا آخری گھونٹ وہیں پیا اور اپنے رب سے جاملے۔

ابن حجر نے لکھا ہے کہ شام کے علمائے مالکیہ میں ان کی نظیر کا کوئی دوسرا عالم نہیں تھا۔ علوم کا استحضار غضب کا تھا۔ قوت حفظ بھی قدرت کی طرف سے وافر مقدار میں عطا ہوئی تھی۔ سیرت ابن ہشام کا غالب حصہ انھیں یاد تھا۔ حدیث میں موطا زبانی یاد تھی۔ اشعار کثرت سے یاد تھے۔

ابن حجر نے ان کی بڑی تعریف لکھی ہے اور فرمایا کہ یہ کثیر العبادت بزرگ تھے۔ زبان میں کچھ لکنت تھی۔

البتہ ان کی سیرت وعادت سے لوگ خوش نہیں تھے۔ ابوالبقاء کی کتاب التلقین کی شرح کی ہے۔

شاگردوں میں علاء الدین بن تقضامی۔ ناصرالدین البارزی اور ابوالمعالی ابن عساکر کا نام لیا جاتا ہے۔

(دیکھو درر کامنہ صفحہ ۳۸۰ ج ۱)

ابراہیم بن محمد بن ناہض الضریر

ولادت ۶۹۵ھ

وفات ۷۶۱ھ

ابراہیم بن محمد حلب کے مشہور محدث اور صاحب فضل و کمال بزرگوں میں سے ہیں۔ اپنے والد سے جو خود حلب کے ممتاز اور مشاہیر علماء میں سے تھے اور محمود بن ابی بکر ارموی اور ان کے علاوہ محدثین کی ایک بڑی جماعت سے حدیث کا علم حاصل کیا اور اپنے زمانہ کے ممتاز اور کبار علماء میں سے شمار کیے گئے۔

رہنے سہنے کا انداز عالمانہ اور باوقار تھا۔ پوشاک بہت عمدہ استعمال کرتے تھے کھانے کا ذوق بھی بڑا لطیف تھا۔ ان کا ایک ڈرائنگ روم تھا جو مشہد فردوس کی اونچائی پر بنایا گیا تھا اور یہ اپنے طرز اور صنعت میں حسن و جمال کا ایسا شاہکار تھا کہ دور دور سے لوگ اس کو دیکھنے آتے اور اس کے حسن منظر اور خوبی تعمیر کی داد دیتے۔ شعرائے زمانہ نے اس کی اپنے اشعار میں تعریف کی ہے اور مجالس و محافل کیلئے یہ عمارت موضوع سخن رہی ہے۔

نابینا تھے۔ حافظہ نہایت عمدہ اور قوی تھا۔ اشعار ہزاروں کی تعداد میں محفوظ تھے ایک دفعہ دس ہزار اشعار ایک ہی قافیہ اور ردیف کے اپنے حفظ سے لوگوں کو سنا کر محو حیرت کر دیا۔ حلب میں ۷۶۱ھ میں وفات ہوئی۔

(درر کامنہ جلد ۱ ص ۶۶)

سلیمان بن یوسف یاسوفی

ولادت ۶۳۹ھ وفات ۶۸۹ھ

سلیمان بن یوسف بن مفلح یاسوفی علمائے شوافع میں مشہور شخصیت کے مالک تھے ذکاوت وذہانت، علم وفضل، جود وسخا، زہد وقناعت، دیانت وتقوی میں مشہور زمانہ تھے۔ دستور عام کے مطابق پہلے آپ نے قرآن پڑھا۔ پھر عماد حبانی اور دوسرے مشائخ شوافع سے فقہ کی تحصیل کر کے اس میں مہارت بہم پہونچائی۔ ابتداءً تعصب اور مذہبی غلو زیادہ تھا خود ان کا بیان ہے کہ جب میں کسی کو (اخطأ النوی) نووی نے غلطی کی کہتے سنتا تو میں سمجھتا تھا کہ وہ کافر ہے۔

اللہ نے حسن سیرت کے ساتھ ساتھ حسن صورت بھی دے رکھی تھی۔ عوام و خواص میں اپنی نیک خصلتی کی وجہ سے محبوب تھے۔

فقہ میں مہارت حاصل کر لینے کے بعد علم حدیث کی طرف توجہ کی اور زمانہ کے مشاہیر حدیث سے یہ فن حاصل کر کے خود زبردست محدث بن گئے۔ ابن رافع اور ابن کثیر وغیرہ آپ کے حدیث کے اساتذہ میں سے ہیں۔ حدیث وفقہ میں کمال حاصل کر کے درس وافادہ کی مجلس قائم کی اور عرصۂ دراز تک درس وافادہ کا بازار گرم رکھا۔ طلبہ پر انتہائی شفقت فرماتے ان کی اعانت بڑی دلسوزی اور غمگساری سے کرتے۔ خصوصاً طلبائے حدیث کے ساتھ آپ کا معاملہ نہایت کریمانہ ہوتا تھا۔

فطری ذہانت وذکاوت اور شوق علم کے ساتھ ساتھ اللہ نے آپ کو قوت حفظ کی نعمت سے بھی نوازا تھا۔ ابن حاجب کی مشہور کتاب "تنبیہ" اور "مختصر" کو بچپن ہی میں یاد کر لیا تھا۔ مختصر ابن حاجب کی دوسو سطریں روزانہ یاد کر لیا کرتے تھے۔

مذہباً جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے شافعی تھے لیکن بعد میں ظاہریت کا غلبہ ہو گیا تھا اور ابن تیمیہ کی حمایت میں بہت آگے ہو گئے تھے۔ دعوائے اجتہاد کے ساتھ ساتھ اکابر فقہاء اور مجتہدین امت کی غلطیوں کو ظاہر کرنے اور ابن تیمیہ کی طرح ان کے حق میں بیباکانہ گفتگو کرنے میں ذرا بھی تکلف نہ تھا۔

آخر عمر میں حوادث زمانہ کا شکار ہوئے اور حکومت وقت نے ان کو گرفتار کر کے جیل میں ڈالدیا۔ اور قید میں ان کا انتقال ہو گیا۔

(درد کا منبع ۱۶۶/۲۷۰)

ابو الحجاج مزی

ولادت سنہ ۶۵۴ وفات سنہ ۷۴۲

یوسف بن زکی عبد الرحمن بن یوسف کلی۔ قضاعی ابو الحجاج مزی۔ دمشق کے رہنے والے جلیل القدر محدث، عظیم المرتبت فقیہ و عالم۔ باکمال مولف و مصنف۔ زہد و اتقا میں مشہور اور فخر روزگار تھے۔ طاش کبری زادہ نے ان کو حافظ زمانہ وحامل رایۃ السنہ والجماعۃ (اپنے زمانہ کے حافظ حدیث، اور اہل سنت والجماعت کے علمبردار سے یاد کیا ہے اور ان کو امام الحفاظ جیسے وقیع لفظ سے یاد کیا ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ علل حدیث و متون احادیث کی معرفت میں نیز فن جرح و تعدیل میں ان کا مقام ذہبی سے بھی اونچا ہے کچھ لوگوں نے ان کو علوم و فنون میں ابن تیمیہ کا ہمسر کہا ہے۔

پچاس سال تک درس دیا اور فضائے عالم کو حدیث کے نغمۂ طرب انگیز سے معمور رکھا سیکڑوں کی تعداد میں لوگوں نے استفادہ کیا اور علم کی پیاس بجھائی۔

ان کے فضل و کمال اور مرتبہ علم کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ ان کے شاگردوں میں ابن تیمیہ، ذہبی ابن سید الناس اور امام سبکی جیسے فخر روزگار اور اساطین علم و دین ہیں۔ ہر فن میں ماہر اور کامل تھے۔ قوت حفظ بھی غضب کی تھی۔ لوگوں کا بیان ہے کہ معاصروں میں ابن تیمیہ اور ابن دقیق العید کے علاوہ دوسرا قوت حفظ، کثرت استحضار، اور علمی مہارت و براعت میں ان کا ہمسر نہیں تھا۔

ابن سبکی ذہبی کا بیان نقل کرتے ہیں کہ میں نے چار شخص سے زیادہ حفظ والا نہیں دیکھا وہ چار شخص یہ ہیں۔ ابن دقیق العید، دمیاطی، ابن تیمیہ، اور امام مزی۔ ابن دقیق العید فقہ حدیث اور علل کی معرفت میں ممتاز تھے۔ دمیاطی انساب کی معرفت میں اپنا ثانی نہیں

ور رکھتے تھے اور ابن تیمیہ متون حدیث کے بحر ذخار تھے۔ اور امام مزی معرفت رجال میں یکتا اور منفرد تھے۔

اور امام سبکی کہتے ہیں کہ میں نے ان چاروں میں سے صرف امام مزی کو دیکھا ہے۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ میں نے تین شخص سے زیادہ حافظہ والا نہیں دیکھا۔ امام مزی، ذہبی اور میرے والد پھر فرماتے ہیں کہ میرا غالب گمان یہ ہے کہ مزی ان دونوں سے رجال کتب ستہ کی معرفت میں بڑھے ہوئے تھے اور امام ذہبی ان کتب ستہ کے سوا دوسرے کتابوں کے رجال کی معرفت میں سابق تھے۔ اور میرے والد ان دونوں سے علل حدیث اور متون اور جرح و تعدیل کے علم میں ممتاز تھے۔ نیز سبکی فرماتے ہیں کہ میرے والد امام ذہبی اور امام برزالی جنکا مقام اجزا کی معرفت میں اور ان کے باحیاۃ رواۃ کی معرفت میں ان سب سے بڑھا ہوا تھا۔ یہ تینوں امام مزی کے علم و فضل کے معترف تھے۔ اور ان سے شاگردانہ رشتہ رکھتے تھے۔ پھر فرماتے ہیں کہ خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے شیخ مزی اعجوبہ زمانہ ہیں۔ حدیث پڑھنے والے پورے دن حدیث کی قرأت کرتے رہتے ہیں۔ طرق اور اسانید بدلتے رہتے ہیں۔ اسمار کا ضبط مشکل ہوتا ہے لیکن شیخ کسی چیز سے غافل نہیں رہتے اور نہ کوئی ایک لفظ ان کے ذہن سے غائب رہتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سب کچھ ان کی نگاہ کے سامنے ہے۔ اختلاف کی وجوہ پر کلام کرتے ہیں۔ مشکل کلمات کو ضبط کراتے ہیں اور مبہم کی تعیین کرتے ہیں اور اس پر نقطے لگواتے ہیں کہ پڑھنے والا دوبارہ غلط نہ پڑھے اور عجیب بات یہ ہے کہ طلبہ نے ان کو اس حال میں بھی دیکھا ہے کہ وہ غلبۂ نیند کی وجہ سے اونگھ رہے ہیں لیکن جب پڑھنے والے نے کوئی لفظ غلط پڑھا وہ فوراً چونکے اور غلطی کی اصلاح کی گویا کسی نے انکو بیدار کردیا۔ امام سبکی فرماتے ہیں کہ یہ انتہائی عجیب بات ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ دنیا میں حدیث کی ریاست ان پر ختم ہے۔

امام مزی کی مشہور کتابوں میں تہذیب الکمال (جو اپنے فن میں بےنظیر کتاب ہے) اور کتاب الاطراف ہے۔

(دیکھو مفتاح السعادۃ صفحہ ۲۲۴/۲)

زین الدین عراقی

ولادت ۷۲۵ھ　　　　　　وفات ۸۰۶ھ

عبدالرحیم بن حسین بن عبدالرحیم ابن ابی بکر بن ابراہیم بن زین ابوالفضل مشہور محدث حافظ حدیث، علمی دنیا کی ایک وقار اور باعظمت شخصیت کا نام ہے۔ اصلاً یہ کردی ہیں شافعی المذہب تھے اور مصر میں پیدا ہوئے۔

وقت کے مشاہیر فضلا اور اہل علم سے استفادہ کیا۔ حدیث قاضی سنجر اور قاضی تقی الدین مالکی وغیرہ سے سنی۔ مشہور قرار سے قرات سبعہ کا علم حاصل کیا۔ فقہ اور اصول فقہ، ابن مولان اور اسنوی وغیرہ ایک جماعت سے حاصل کیا۔

حدیث میں خصوصی استفادہ علامہ ترکمانی مشہور حنفی محدث سے کیا۔ اخیر میں حدیث ہی کی طرف توجہ دی اس سلسلہ میں بیت المقدس اور شام کا سفر کر کے وہاں کے محدثین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے حدیث سنی ۷۵۲ھ سے وفات کے سال تک علم حدیث کی خدمت میں مشغول رہے اور وہ کمال حاصل کیا کہ یکتائے زمانہ قرار دیئے گئے اور اپنے شیوخ ہی کی موجودگی میں اس فن میں انفرادی شان کے مالک بن گئے۔

تصنیف و تالیف کے بھی مرد میدان تھے۔ متعدد قیمتی تصانیف ان کے قلم گہر بار سے وجود میں آئیں جن میں دو کتاب بہت مشہور ہے۔ ایک علم حدیث میں الفیۃ جو مختصر ہونے کے باوجود نہایت جامع رسالہ ہے اور دوسری ان کی مشہور اور بےنظیر کتاب احیاء العلوم کے احادیث کی تخریج میں۔ تخریج احادیث احیاء العلوم ہے۔ امام غزالی نے اپنی کتاب احیاء العلوم میں ضعیف بلکہ موضوع تک حدیثیں ذکر کر دی ہیں جس سے اس کتاب کے پڑھنے والوں کو سخت مشکل کا سامنا تھا۔ اب اس کتاب کے بعد یہ دقت بڑی حد تک ختم ہو گئی ہے۔

ایک کتاب غرائب القرآن کے نام سے بھی ہے۔ ابن سید الناس نے ترمذی کی شرح لکھنی شروع کی تھی لیکن کتاب الصلوٰۃ ہی تک وہ لکھ پائے۔ پھر اس کی تکمیل کا ارادہ محدث عراقی نے کیا اور سات جلدیں تیار بھی کر ڈالیں لیکن افسوس کہ یہ شرح بھی مکمل نہ ہو سکی۔

اس شرح کے بارے میں شوکانی لکھتے ہیں۔

ھو شرح حافل ممتع فیہ فوائد لا توجد فی غیرہ ولا سیما فی الکلام علی احادیث الترمذی۔

یہ ایک جامع عمدہ شرح ہے۔ اس میں جو زائد ہیں کہیں اور نہیں ملتے۔ خاص طور پر ترمذی کی احادیث پر کلام بہت عمدہ طریقے سے کیا گیا ہے۔

ان کتابوں کے علاوہ ابن دقیق العید کی کتاب "الاقتراح" کو نظم میں جمع کر دیا ہے۔ ایک کتاب الاستعاذہ بالواحد من اقامۃ جمعتین فی مقام واحد اور دوسری کتاب امام نووی کی مہذب کی شرح ہے۔ ان کے علاوہ بھی چند اور کتابیں ہیں۔

تدریس کا بھی مشغلہ رہا۔ دار الحدیث کاملیہ اور ظاہریہ میں ایک زمانہ تک حدیث کا درس دیا۔ حج کی سعادت بھی بار بار نصیب ہوئی وہاں کی مجاورت کا بھی شرف حاصل رہا اور وہاں حدیث کا املاء کرانے کا بھی موقعہ ملا۔ مدینہ منورہ کے قاضی بھی رہے۔

اللہ نے ان سب سعادتوں کے ساتھ قوت حفظ سے بھی نوازا تھا۔ جب یہ حادی حفظ کر رہے تھے تو ایک ایک دن میں چار سو سطریں حفظ کر لیا کرتے تھے۔ اور حدیث کا املا عموماً زبانی کراتے تھے۔

حسین وجمیل اور نورانی شکل والے تھے۔ باوقار اور بے تکلف تھے۔ زندگی میں تنگدستی کا شکار رہے۔ شرم کا مادہ زیادہ تھا۔ لوگوں سے الگ تھلگ رہتے تھے دلچسپ قصوں اور نوادر سے اپنی مجلس کو پر بہار بنائے رکھتے تھے۔

طہارت کے سلسلے میں وہم کی حد تک پہونچے ہوئے تھے۔ وضو وغیرہ کا پانی یا خود

لاتے یا اپنے رفیق علامہ ہیثمی پر اعتماد کرتے۔
تہجد اور روزہ کے پابند تھے۔ ہر ماہ تین دن کا روزہ اہتمام سے رکھتے تھے۔ ان کے شاگردوں کی تعداد بہت ہے جن میں خود ان کے صاحبزادے محدث ولی بن زین اور حافظ ابن حجر جیسی شخصیتیں ہیں۔

(دیکھو البدر الطالع للشوکانی)

ابُوطاہر مجدالدین فیروزآبادی صاحبِ قاموسُ

ولادت ۷۲۹ھ　　　　وفات ۸۱۶ھ

مشہور لغوی ہیں۔ ادب اور لغت میں اپنے وقت کے امام تھے۔ ان کی کتاب قاموس لغت میں مشہور زمانہ کتاب ہے۔ اس کی شرح تاج العروس ہے جو ایک ہندی فاضل علاّمہ زبیدی کے قلم کا شاہکار ہے قاموس اور تاج العروس یہ دونوں ہی کتابیں لغت کی ان کتابوں میں شمار کی گئی ہیں جن کی نظیر آج تک نہ پائی جا سکی۔

شیراز میں پیدا ہوئے جائے ولادت کا نام کازرون ہے ابتداءً اپنے ہی شہر میں فقہ اور حدیث کا علم حاصل کیا اور لغت سے خصوصی دلچسپی لی یہانتک کہ اس فن کے امام ہوئے پھر شام کا سفر کیا اور وہاں ابن قیم، تقی سبکی، ابن نباتہ، شیخ خلیل مالکی اور ان کے علاوہ ایک جماعت کثیرہ سے اخذ علم اور استفادہ کیا۔ ذہانت و ذکاوت اور دقت نظر اور قوت حفظ کی دولت سے مالامال تھے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں فضل وکمال کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ دور دور سے مستفیدین اور طلبہ کی آمد شروع ہوئی اور ان کی تعداد میں برابر اضافہ ہوتا رہا اور رفتہ رفتہ ان کا کوکب شہرت پوری آب و تاب سے چمکنے لگا اور وہ افراد زمانہ میں سے شمار کئے جانے لگے۔

شام میں ایک مدت تک قیام رہا اور وہاں سے قاہرہ تشریف لیگئے اور مختلف شہروں اور بلاد و امصار کا سفر کیا۔ جب روم پہونچے تو وہاں کے بادشاہ نے ان کا بڑا اکرام کیا اور خلعت و نعمت سے نوازا۔ بادشاہ کی شاہ فیاضیوں نے ان کو صاحب ثروت بنا دیا اور ان کا شمار مالداروں میں ہونے لگا روم کے بعد مختلف جگہ کی سیاحت کرتے ہوئے ہندوستان تشریف لائے یہاں کے بادشاہ اسمٰعیل اشرف نے ان کا شاندار استقبال

کیا اور بہت اعزاز سے ان کو رکھا بلکہ ان کی لڑکی سے شادی بھی کرلی جس سے ان کا مقام اہل دنیا کی نگاہ میں بھی بہت بڑھ گیا۔

ان کے علم و فضل کی دھوم سے سارا عالم اسلام گونج رہا تھا۔ جہاں بھی گئے وہاں کے امرا اور سلاطین نے ان کے ساتھ نہایت درجہ اختصاص کا معاملہ کیا۔

سیر و سیاحت کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا مشغلہ بھی برابر جاری رہا اور آپ نے نہایت قیمتی اور عمدہ تصانیف سے اسلامی کتب خانوں میں گرانقدر اضافہ کیا ہے۔ آپ کی بعض مشہور کتابیں یہ ہیں۔

لغت میں قاموس محیط، اللامع والمعلم، العجاب الجامع بین المحکم والعباب، یہ کتاب مکمل نہ ہوسکی۔ فتح الباری، بالسیح الفسیح الجاری فی شرح البخاری

ابن حجر عسقلانی نے اسی نام سے اپنی شرح کو بھی موسوم کیا ہے اور انھوں نے یہ نام یہیں سے لیا ہے۔ تسہیل الوصول الی الاحادیث الزائدہ علی جامع الاصول، الاصعاد الی رتبۃ الاجتہاد، الوجیز فی لطائف کتاب العزیز۔

یہ چند نام ہیں اس کے علاوہ ان کی کتابوں کی ایک طویل فہرست ہے جسکا تذکرہ سیوطی نے بغیۃ الوعاۃ میں کیا ہے۔

علمی کمالات کے ساتھ ساتھ قوت حفظ کی غضب کی تھی۔ خود ان کا بیان ہے کہ سوتے وقت دو سو سطریں یاد کرلیتے تھے۔ اور یہ ان کا روزانہ کا معمول تھا۔ سیوطی کا بیان ہے

کان یقول ماکنت انام حتیٰ احفظ مائتی سطر

یعنی فرماتے تھے کہ میں اس وقت تک سوتا نہیں تھا جب تک کہ دو سو سطریں یاد نہ کرلوں جب سفر کرتے تھے تو ساتھ ساتھ متعدد اونٹوں پر کتابیں لاد کر چلا کرتے تھے۔ جہاں قیام ہوتا وہاں ان کتابوں کا مطالعہ بھی ہوتا رہتا تھا اور تصنیف و تالیف کا کام بھی جاری رہتا۔

(بغیۃ الوعاۃ صفحہ ۱۱۷)

ابن حجرؒ

ولادت ۷۷۳ھ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ وفات ۸۵۲ھ

احمد ابن علی بن محمد شہاب ابوالفضل عسقلانی مصری قاہری المعروف بابن حجرؒ علم حدیث کے بلند پایہ امام۔ زبردست محدث، کثیر التصانیف مصنف شارح بخاری شریف اور آسمان علم و فضل کے نیر تاباں ہیں۔ تقریباً سارے ہی علوم میں کمال حاصل تھا۔ اور علم حدیث تو ان کا خاص موضوع تھا۔ ان کا مقام حدیث میں کتنا بلند تھا۔ اس کا اندازہ اس سے لگایئے کہ جب مطلق حافظ کا لفظ بولا جاتا ہے تو انھیں کی ذات مراد ہوتی ہے۔

بخاری شریف کی شرح فتح الباری ان نایاب شروح حدیث میں سے ہے جس کی مثال دنیائے حدیث میں نہیں پائی جاتی لوگوں کا اس پر تقریباً اتفاق ہے کہ جسطرح حدیث کی کتابوں میں بخاری کا مقام سب سے بلند ہے اسی طرح شروح حدیث میں فتح الباری کا کوئی جواب نہیں ہے۔ فتح الباری پر ان کا مقدمہ عمدۃ القاری جو خود مستقل تصنیف ہے جس نے پڑھا ہے اس کو اندازہ ہو گا کہ اللہ نے آپ کو حدیث اور متعلقات حدیث پر کیسی بصیرت کی نگاہ عطا کی تھی اور جس نے کہا ہے سچ کہا ہے کہ ابن حجر نے بڑی حد تک بخاری کا حق ادا کر دیا ہے۔

۱۲ رشعبان ۷۷۳ھ میں مصر میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں والد کا انتقال ہو گیا تھا یتیمی کی حالت میں پرورش پائی۔ نو سال کی عمر میں قرآن حفظ کر لیا اور مکہ مکرمہ میں پہلی مرتبہ تراویح میں قرآن سنایا۔ قرآن کے ساتھ عمدۃ الفیہ لابن العراقی۔ الحاوی الصغیر مختصر ابن حاجب اور ان کے علاوہ دوسری متعدد کتابیں بھی یاد کرتے جاتے تھے۔

آپ کے ابتدائی اساتذہ میں الصدر السفطی شارح مختصر التبریزی۔ جمال بن ظہیرۃ

الصدر الاشبیطی وغیرہ ہیں۔ بلوغ کے بعد شمس بن قطان کی خدمت میں رہے اور ان سے فقہ، عربیت اور حساب وغیرہ کا درس لیا۔ کتاب الحاوی کا ایک حصہ پڑھا۔ علامہ انباسی سے بعض کتابیں پڑھیں فقہ کی آخری کتاب الکنیٹس سے پڑھی۔ علامہ انباسی ابن حجر کے والد کے دوستوں میں سے تھے اس وجہ سے ان کی تعلیم وتربیت میں بڑی دلچسپی لی۔ ابن حجر ایک مدت تک ان کی صحبت میں رہے۔ علامہ بلقینی کی صحبت میں بھی عرصہ تک رہے اور ان سے فقہ کا درس لیا۔ عز بن جاعۃ سے بہت استفادہ کیا اور ان کی خدمت میں ایک مدت تک رہے۔

آپ کے اساتذہ میں مجد الدین صاحب قاموس بھی ہیں۔ ان سے آپ نے لغت کا علم حاصل کیا۔ ان کے علاوہ اساتذہ کی ایک بڑی جماعت سے استفادہ کیا اور ہر فن میں کامل دستگاہ بہم پہونچائی/ سخاوی لکھتے ہیں وجد فی الفنون حتیٰ بلاغ الغایۃ۔ سارے فنون میں محنت کر کے انتہائی مقام حاصل کرلیا۔ لیکن چونکہ حدیث سے آپ کو اوائل زمانہ ہی سے دلچسپی تھی اس وجہ سے یہ فن آپ پر غالب رہا۔ سخاوی لکھتے ہیں وحبب اللہ الیہ الحدیث فاقبل علیہ بکلیتہ یعنی اللہ نے آپ کے قلب میں حدیث کی محبت ڈالدی تھی اور آپ بالکلیہ اسی میں لگ گئے۔

حدیث کا علم آپ نے خاص طور سے امام عراقی سے حاصل کیا ان کی صحبت میں طویل زمانہ تک رہے اور حدیث، اور اصول حدیث کی متعدد کتابیں ان سے پڑھیں۔ آپ پر اللہ کا یہ بھی فضل تھا کہ آپ کے سارے ہی اساتذہ اپنے اپنے فن میں باکمال اور فخر روزگار تھے۔ سخاوی لکھتے ہیں۔

آپ نے ایسے اساتذہ کو پایا جن سے مہمات مسائل میں حل مشکلات کے لئے رجوع کیا جاتا تھا اس طرح کے اساتذہ آپ کے زمانہ میں کسی اور کو میسر نہ آئے۔ ہر استاد اپنے علم کا ماہر اور اپنے فن کا باکمال تھا۔ جس فن میں جس کی شہرت تھی اس فن میں اس فکر کا اس زمانہ میں کوئی دوسرا آدمی نہیں تھا۔

ابن حجر جب ہر فن میں کمال کو پہونچ گئے تو ان کے اساتذہ نے افادہ، تدریس اور فتویٰ دینے کی اجازت دیدی۔ اور یہ حدیث کی نشر واشاعت میں تدریسًا تالیفًا لگ گئے بلکہ پوری زندگی اس فن کی خدمت میں صرف کردی۔ بہت سی عمدہ اور بے مثال کتابیں

لکھیں جو اپنی جامعیت اپنی تحقیق حسن بیان میں عالم تحقیق و تالیف کا شاہکار ہیں اور جو ہر زمانہ میں یکساں مقبول عام ہیں۔ امام سخاوی لکھتے ہیں۔

آپ کی بیشتر کتابیں علم حدیث میں ہیں اور بعض ادب و فقہ وغیرہ میں ہیں۔ ان کتابوں کی مجموعی تعداد ڈیڑھ سو ہے۔ آپ کی ساری تصانیف کو اللہ نے قبولیت اور محبوبیت عطا کی ہے۔ خاص طور فتح الباری جسکی کوئی نظیر نہیں ہے۔ اس کتاب کو دنیا کے اطراف و جوانب کے بادشاہوں نے گراں قیمت پر طلب کیا۔ ایک ایک نسخہ اس کا تین تین سو دینار میں فروخت ہوا اور اس طرح دنیا میں یہ کتاب پھیل گئی۔ جس روز اس کتاب کو آپ نے ختم کیا تو ختم کی تقریب منعقد کی جس میں اعیان شہر اور اصحاب علم شریک ہوئے۔ پُر تکلف دعوت کا انتظام کیا جمیں تقریبًا پانچسو دینار صرف ہوئے۔

آپ کی طبیعت فطرتًا یکسوئی پسند اور حکومت کے وظائف و معاملات سے گریزاں واقع ہوئی تھی اس لیے آپ نے کبھی حکومت میں کسی منصب کو قبول کرنا گوارا نہیں کیا۔ دو ایک دفعہ حکومت کی طرف سے مجبور ہو جانے پر عہدۂ قضا سنبھالا لیکن بہت جلد اس سے مستعفی ہو گئے اور اس پر بھی عمر بھر افسوس کرتے رہے۔

اللہ نے جہاں آپ کو بہت سی نعمتوں سے نوازا تھا۔ قوتِ حفظ کی نعمت بھی اس نے وافر مقدار میں عطا کی تھی اور آپ کے زمانہ میں اس پایہ کا حافظ کوئی دوسرا نہیں تھا۔ قوتِ حفظ کا عالم یہ تھا کہ آپ نے ایک ہزار مجلس میں صرف اپنے حفظ سے حدیث کا املاء کرایا تھا۔ اس بارے میں آپ کی شہرت اطراف واکنافِ عالم میں پھیل گئی تھی اور دور دور سے لوگ استفادہ کی غرض سے حاضر ہوتے تھے۔ امام سخاوی لکھتے ہیں۔

اشتہر ذکرہ وبعد صیتہ وارتحل الائمۃ الیہ وتبجح الاعیان بالوفود علیہ وکثرت طلبتہ حتی کان رؤس العلماء من کل مذھب من تلامذتہ یعنی ان کی شہرت عام ہو چکی تھی۔ ان کی خدمت میں ائمہ علم نے سفر کر کے حاضری دی ان کی ملاقات پر امرائے زمانہ نے فخر کیا۔ طلبہ کی تعداد بہت رہی یہاں تک کہ ہر مذہب کے اعیان علما آپ کے تلامذہ میں سے ہوئے۔

ابن حجر کے استاد عراقی کا بیان ہے کہ ان کے تلامذہ میں سب سے زیادہ حدیث

کے عالم ابن حجر ہیں۔ سخاوی فرماتے ہیں کہ حفظ، ثقاہت، امانت، معرفت تام، ذہن وقاد ذکاء مفرط، سعت علم، وغیرہ میں آپ کی بلند مقامی کی شہادت متقدمین نے دی ہے۔ علم حدیث اور دوسرے فنون کے ساتھ ساتھ آپ کا ذوق شعر وشاعری بھی بہت عمدہ تھا اور اس میں بھی آپ کا مقام بہت اونچا تھا۔

۸۵۲ھ ماہ ذی الحجہ میں آپ کا انتقال ہوا آپ کے جنازہ میں انبوہ عظیم شریک تھا خصوصاً علماء اور شیوخ کا اتنا بڑا اجتماع کسی جنازہ میں نہیں دیکھا گیا۔ خلیفہ، امراء، اعیان سلطنت وغیرہ جنازہ میں حاضر تھے۔

(الضوء اللامع للسخاوی صفحہ ۳۶/۴۰)

احمد بن عبداللہ بن محمد

ولادت ۷۹۰ھ　　　　　　　　　　　　وفات ۸۷۰ھ

علم وفضل کی ایک باکمال شخصیت احمد بن عبداللہ بن محمد کی ذات گرامی تھے۔ مختلف ملکوں کا سفر کر کے علم حاصل کیا۔ غزہ، رملہ، بیت المقدس، شام، قاہرہ، حجاز وغیرہ میں رہ کر وہاں کے علماء سے استفادہ کیا۔ مکہ میں ایک عرصہ تک مقیم رہے اور مختلف علوم وفنون کا درس دیتے رہے۔ احمد بن عامر، ابن ابی بیض، ابوالقاسم نویری ناصرالدین ایاسی حنفی، ابن قاضی شہبہ، علم بلقینی، شرف سبکی، وغیرہ آپ کے فقہ، حدیث لغت اور دوسرے علوم وفنون کے اساتذہ ہیں۔ زین بن عیاش، ابوالفتح مراغی، محب بن نصراللہ بغدادی، زین زرکشی سے خاص طور پر حدیث کا علم حاصل کیا۔

ہر فن کے جامع تھے اور ہر علم میں دستگاہ کامل حاصل تھی۔ بہترین واعظ تھے آپ کا وعظ نہایت موثر ہوتا تھا۔ مخلوق خدا نے اس سے بہت فائدہ حاصل کیا۔

ذکاوت وذہانت، قوت حافظہ، سرعتِ ادراک، ذہن کی بلند پروازی، طبیعت کی استقامت میں افرادِ زمانہ میں سے تھے۔

حافظہ کا عالم یہ تھا کہ صحاح جوہری جیسی اہم اور مشکل کتاب کی پچاس سطریں دو ایک دفعہ سنکر یاد کر لیتے تھے۔ حدیث، تفسیر، فقہ اور اصول فقہ کے حافظ تھے۔ قدمائے عرب کے اشعار بڑی تعداد میں محفوظ تھے۔ حکایات ونوادرات بھی کثرت سے یاد تھے۔ ان چیزوں کی وجہ سے آپکی مجلس، وعظ پُرلطف ہو جایا کرتی تھی اور لوگ بڑے ذوق وشوق سے حاضر ہوتے تھے۔

بعض لوگوں نے ان کے حافظہ کو ابن تیمیہ سے بھی فائق قرار دیا ہے۔

(الضوء اللامع صفحہ ۲۶۵)

ابن جناق محمد بن احمد بن محمد موصلی

ولادت ۸۲۷ھ　　　　وفات ۸۷۲ھ

قاہرہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم یہیں حاصل کی۔ پہلے مسلکاً شافعی تھے۔ بعد میں فقیہ عمر بلوی کی تحریض و ترغیب سے حنبلی مسلک اختیار کرلیا۔ عرصہ تک ان کی صحبت میں رہے اور ان سے استفادہ کرتے رہے اگرچہ فقیہ مذکور ان کے سب سے بڑے شیخ تھے۔ مگر ان کے علاوہ بھی مختلف مشائخ سے مختلف علوم و فنون کو نہایت ذوق و شوق سے حاصل کیا۔

ایک مدت تک مکہ میں مجاور رہ کر وہاں کے انوار و برکات سے دامن مراد کو بھرا علمائے وقت کی اجازت کے بعد آپ نے منصب افتار کی ذمہ داری سنبھالی۔ اور عرصہ تک عالم کو اپنے علمی فیوض و برکات سے مستفید کرتے رہے۔

ذہانت و ذکاوت فطری اور قوتِ حفظ وہبی تھی۔ بچپن ہی سے آپ کا حافظہ لوگوں میں موضوع سخن بنا ہوا تھا۔ خود ان کا بیان ہے کہ کتاب عمدۃ کو صرف چالیس روز میں از اول تا آخر حفظ کرلیا تھا۔ ابن سلار بعلی کی فقہ میں کتاب "تسہیل" اور ابن جزری کی کتاب "ہدایہ" علم حدیث میں بھی ان کو زبانی یاد تھی۔ اور ان کتابوں کے ساتھ ساتھ قرآن بھی حفظ کرتے رہتے اور اسے بھی محفوظ کرلیا۔

سخاوی لکھتے ہیں۔ کان فاضلاً، ذاکراً، مستحضراً یعنی فاضل اور علوم کو مستحضر رکھنے والے تھے۔ دین کے معاملہ میں سخت تھے۔ کسی شرعی امر میں مداہنت کو پسند نہیں کرتے تھے۔ تواضع، انکساری، حسنِ سلوک، مواساۃ، غمگساری، بے تکلفی،

اور عدم تصنع جیسی صفات سے متصف تھے۔ عوام وخواص میں یکساں مقبول تھے۔ ان کی وفات پر خلیفۂ وقت نے بھی تاسف وغم کا اظہار کیا۔

(دیکھو الضوء اللامع صفحہ ۳)

شاہ عبدالعزیز دہلوی

ولادت سنہ ۱۱۵۹ھ وفات سنہ ۱۲۳۹ھ

سراج الہند، حجۃ اللہ علی الارض، اعلم العلماء، خاتم المفسرین، راس المحدثین، حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی ہندوستان کی ایک فخر روزگار شخصیت کا نام ہے۔

یہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے سب سے بڑے صاحبزادے ہیں اور آپ کے علوم و کمالات کے جانشیں اور خلف صادق۔

تقریباً ہندوستان کے سبھی علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ کے بعد آپ جیسا کوئی دوسرا محدث اور جامع کمالات عالم نہیں پیدا ہوا۔

سنہ ۱۱۵۹ھ میں ماہ مبارک رمضان میں آپ کی ولادت ہوئی۔ پہلے قرآن حفظ کیا۔ پھر والد ماجد کی خدمت میں رہ کر علوم عقلیہ و نقلیہ میں مہارت پیدا کی۔ اپنے والد کے علاوہ شیخ نوراللہ بڈھانوی اور شیخ محمد امین کشمیری وغیرہ سے بھی بعض کتابوں کا درس لیا۔

سولہ سال کی عمر تھی کہ والد ماجد کا انتقال ہوگیا۔ پندرہ سال کی عمر میں علوم متداولہ کے علاوہ دوسرے بہت سے فنون میں کامل دستگاہ بہم پہونچائی تھی اور اپنے والد کی حیات ہی میں افتاء اور درس و تدریس کا کام انجام دینے لگے۔ والد کے انتقال کے بعد آپ کو ان کا جانشین مقرر کرلیا گیا۔

علم کی تحصیل کے ساتھ ساتھ شہسواری، تیراندازی اور فن موسیقی میں بھی مہارت پیدا کرلی تھی۔ خط رقاع اور خط نسخ میں انتہائی کمال حاصل تھا اور یہ دونوں خط انتہائی خوبصورت لکھا کرتے تھے۔

عربی اور فارسی ادب میں کمال کے ساتھ ساتھ شعر گوئی کا بھی ملکہ خوب تھا۔ آپ کے

عربی و فارسی اشعار اپنی فصاحت و بلاغت، سلاست و جزالت، الفاظ کے حسن انتخاب کا نمونہ ہوتے تھے۔ ارتجالاً اور فی البدیہہ شعر کہنے پر کامل قدرت تھی۔

آپ کے علم و کمال کا غلغلہ پورے ہندوستان میں گونج رہا تھا۔ دور دور سے طلبہ آپ کے حلقۂ درس میں شریک ہونے کے لئے ہر طرح کی مشقت برداشت کر کے دہلی کا رخ کرتے تھے اور آپ سے تلمذ اور انتساب پر انھیں فخر ہوتا تھا۔

آپ کے مشہور شاگردوں میں آپ کے تینوں بھائی شاہ عبدالقادر، شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالغنی (جن میں کا ہر ایک آسمان علم و فضل کا اور علم و عمل کا نیر تاباں تھا) کے علاوہ شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی (جو آپ کے بعد جانشین ہوئے اور ہندوستان میں علم حدیث کا چرچا آپ کی ذات سے جتنا ہوا کم ہی خوش نصیب ہوں گے جن سے علم حدیث کی اشاعت اس پیمانہ ہوئی ہو) مفتی صدر الدین خاں آزردہ دہلوی۔ مولانا رشید الدین خاں دہلوی۔ شاہ غلام علی شاہ، شاہ مخصوص اللہ صاحبزادہ حضرت شاہ رفیع الدین۔ آپ کے داماد مولانا عبدالحئی بڈھانوی مفتی الٰہی بخش کاندھلوی، سید قمر الدین سونی پتی، سید قطب الہدیٰ، مولانا فضل حق خیرآبادی وغیرہم کے علاوہ ایک بڑی جماعت کا شمار ہے اور یہ آپ کے سارے ہی تلامذہ صاحب فضل و کمال اور مرجع اہل علم تھے۔

مولانا عبدالحئی صاحب نزہۃ الخواطر آپ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں۔

کان رحمۃ اللّٰہ احد افراد الدنیا بفضلہ وآدابہ وعلمہ وذکائہ وفہمہ وسرعۃ حفظہ۔

یعنی شاہ عبدالعزیز اپنے فضل، اپنے اخلاق، و آداب، علم، ذکاوت، فہم، اور سرعت حفظ میں افراد عالم میں سے تھے۔

پچیس سال کی عمر میں آپ گوناگوں امراض کا شکار ہو گئے تھے۔ مولانا عبدالحئی صاحب نے لکھا ہے کہ آپ چودہ قسم کی بیماری میں مبتلا تھے جس میں برص، جذام، نابینائی، قوت بدنیہ کا فقدان، بے خوابی وغیرہ جیسے مہلک امراض بھی تھے۔

امیر خاں صاحب کی روایت سے ارواح ثلثہ میں لکھا ہے کہ دہلی میں شاہ صاحب کے زمانہ میں روافض کا نہایت غلبہ تھا۔ چنانچہ نجف علی خاں شیعی کا دہلی پر تسلط تھا۔ اسی نے شاہ ولی اللہ

صاحب علیہ الرحمہ کے پہونچے اثر ڈالکر ہاتھ بیکار کر دیئے تھے۔ اور اسی نے حضرت مرزا مظہر جان جاناں کو شہید کرا دیا تھا اور شاہ عبدالعزیز اور شاہ رفیع الدین کو ان کی بیویوں کے ساتھ دہلی سے نکالدیا تھا اور ستم یہ تھا کہ اس نے ایسا انتظام کر دیا تھا کہ ان حضرات کو سواری بھی میسر نہ آسکے چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ دہلی سے پیدل جونپور تک آئے اور شاہ رفیع الدین پیادہ لکھنؤ گئے۔

شاہ عبدالعزیز کی جان لینے کے لئے ان روافض نے دو دفعہ آپ کو زہر بھی دیا تھا۔ اور ایک دفعہ آپ کے بدن پر چھپکلی کا ابٹن ملوا دیا تھا جس سے شاہ صاحب کو برص اور جذام بھی پیدا ہوگیا تھا۔ جونپور کے سفر میں لو بھی لگ گئی تھی جس سے مزاج میں سخت حدت پیدا ہوگئی تھی اور اسی حدت ہی کے نتیجہ میں جوانی ہی میں بینائی جاتی رہی تھی اور ہمیشہ سخت بیچین رہتے تھے۔

جب آپ کی بینائی ختم ہوگئی اور امراض نے گھیر لیا تو آپ نے مدرسہ کی ذمہ داری اپنے دونوں بھائی شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر کو سپرد کر دی تاہم آپ خود بھی ان امراض شدیدہ وکثیرہ کے باوجود درس و وعظ و افتاء اور تصنیف کا کام عمر کے اخیر حصہ تک انجام دیتے رہے۔

اور تعجب کی بات تو یہ ہے کہ امراض کے اس ہجوم اور کثرت کے باوجود جبکہ آپ کا اٹھنا بیٹھنا بھی دشوار ہو رہا تھا۔ غذا کی اشتہا کا فقدان اور مسلسل بے خوابی کی شکایت تھی۔ آپ کی بشاشت، فکاہت، مکاہبت، خوش مزاجی اور حاضر دماغی میں کوئی فرق نہیں پیدا ہوا تھا۔ نہ بظاہر دل متاثر تھا نہ دماغ۔ آپ کے پاس بیٹھنے والا آپ کی مجلس کا حاضر باش سمجھ بھی نہیں سکتا تھا کہ آپ کس تکلیف میں مبتلا ہیں۔ مولانا عبدالحئی صاحب نزہۃ الخواطر میں لکھتے ہیں۔

شاید تمہیں تعجب ہو کہ باوجود ان امراض مولمہ کے آپ کا مزاج لطیف اور طبیعت پرلطف تھی۔ بات چیت نہایت عمدگی سے کرتے تھے۔ گفتگو آپ کی فصیح ہوتی تھی اور آپ کا کلام ملیح ہوتا تھا۔ تواضع، بشاشت، شفقت اور پیار وغیرہ کچھ اس طرح کی باتیں تھیں جسکا احاطہ دشوار ہے۔ آپ کی مجلس ذہنوں کیلئے تفریح گاہ ہوا کرتی تھی۔

اس سے حضرت شاہ صاحب کی ثبات مزاجی اور قوت ارادی کا پتہ چلتا ہے۔ ورنہ ظاہر بات ہے کہ ایک کمزور قوت وعزم وارادہ کا انسان ان امراض کے ساتھ نہ صرف اپنے لئے بلکہ دوسروں کے لئے بھی مصیبت بنجاتا ہے۔ ذرا اندازہ لگایئے کہ کیا ان امراض و اسقام کے ساتھ یہ بھی ممکن ہے جیساکہ صاحب نزہتہ الخواطر لکھ رہے ہیں کہ۔

"لوگ ان کے پاس آتے تھے کہ ان کے علم سے فائدہ حاصل کریں۔ ادباء آتے تھے کہ ادب حاصل کریں اور اپنے اشعار کی اصلاح لیں۔ اہل حاجات آتے کہ وہ ان کے لئے سفارش کریں۔ اور ان کی غمخواری اور حاجت برآری میں کوشش کریں۔ مریض حاضر ہوتے تاکہ آپ ان کا علاج کریں۔ اہل جذب وسلوک تشریف لاتے تاکہ وہ آپ کے انوار سے قبس نور کریں۔ مسافروں کا قافلہ آتا آپ ان کا اعزاز و اکرام کرتے۔ ان کو مہمان بناتے اور ان کی ضرورتوں کے برلانے میں سعی کرتے۔

شیخ محمد محسن بن یحییٰ ترہتی الیانع الجنی میں شاہ صاحب کے محامد و مناقب بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

ان کو وہ کمال اور شہرت حاصل تھی کہ ہندوستان کے اطراف و جوانب کے لوگ ان سے انتساب پر فخر کرتے تھے بلکہ ان کے شاگردوں سے بھی نسبت حاصل ہوجانے کو اپنے لئے باعث فخر سمجھتے تھے۔

ان کے عمدہ صفات وکمالات میں سے جنہیں وہ اپنے معاصرین میں بالکل منفرد تھے ایک صفت یہ ہے کہ وہ انتہائی درجہ حاضر جواب تھے۔ جو بھی ان سے گفتگو کرتا اسے خاموش ہی ہوجانا پڑتا۔ مافی الضمیر کو عمدہ اور بہترین طریقے پر ادا کرنے کی بھی ایسی قدرت تھی کہ آپ کے معاصرین میں اس درجہ قادر کوئی دوسرا نہیں تھا۔ اسی طرح خواب کی تعبیر میں بھی آپ کو کمال حاصل تھا۔ جس خواب کی جو تعبیر بیان کرتے وہ بعینہٖ پیش آتی گویا آپ نے پہلے سے اس کا مشاہدہ کرکے تعبیر بتلائی تھی اور یہ بات انھیں کو حاصل ہوتی ہے جن کے نفوس صاف ستھرے اور ارجاس ادناس سے پاک صاف ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ آپ کے اور بھی بہت سے کمالات اور مناقب ہیں۔ جو مشہور عام ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تنہا ذات میں وہ گوناگوں اور طرح طرح کے

کمالات جمع کر دیئے تھے جو ابنائے زمانہ میں متفرق طور پر پائے جاتے تھے۔ اور جو کہنے والے

نے یہ کہا ہے۔

ولم ار امثال الرّجال تفاوتا لدی المجد حتیٰ عدّ الف بواحد

(میرے ممدوح کی طرح) ایک جیسے لوگ مجھے اس طرح کے نظر نہیں آتے جس میں اتنا فرق ہو کہ بزرگی اور شرافت میں ایک ہزار کو ایک کے مقابلہ میں شمار کیا گیا ہو۔

اگر یہ شاعر انھیں دیکھ لیتا تو اسے محسوس ہوتا کہ اگرچہ اس نے بڑے مبالغے سے کام لیا ہے پھر بھی اس نے کمالات کا بیان اور مدح سرائی کا حق ادا نہیں کیا ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز کی حاضر جوابی، کمال فراست، استحضار علمی کے واقعات مختلف کتابوں میں بکھرے پڑے ہیں۔ اگر ان کو جمع کر دیا جائے تو ایک دلچسپ کتاب تیار ہو جائیگی۔ افسوس کہ میں یہاں قلتِ گنجائش اور موضوع سے انحراف کی وجہ سے ان میں سے چند کو بھی نقل نہیں کر سکتا۔ اللہ نے چاہا تو کبھی اس پر ایک مستقل مضمون بھی لکھ دیا جائے گا۔

آپ کمالات علمی و عملی کے ساتھ ساتھ اپنی قوتِ حفظ اور بے نظیر علمی استحضار میں بھی افراد عالم میں سے تھے۔

ارواح ثلٰثہ میں لکھا ہے کہ

"شاہ عبدالعزیز صاحب کے پاس ایک جہاز راں انگریز آیا اور کہا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ کو ہر فن میں دخل ہے۔ جہاز رانی میں بھی آپ کو کچھ آتا ہے۔ شاہ صاحب نے جو بعض پرزوں کے حالات بیان کئے تو وہ اس کو بھی یاد نہ تھے۔ اس کو حیرت ہوئی پوچھا تو فرمایا کہ بچپن میں اسی فن کی ایک کتاب دیکھی تھی۔ اس میں سے کچھ یاد ہو گیا تھا۔

اسی طرح اسی کتاب میں ایک دوسرا واقعہ بھی لکھا ہے کہ۔

دو قوال آئے ان میں کسی راگنی میں اختلاف تھا اور شاہ صاحب کو حکم بنایا۔ دونوں نے شاہ صاحب کے سامنے گایا۔ شاہ صاحب نے ایک کی تصویب کی اور دوسرے کا تخطیہ اور بتلا دیا کہ یہ خرابی ہے ان کو بڑا تعجب ہوا اور تعجب ہونا بھی چاہیے کہ یہ شاہ صاحب کا

فن تو تھا نہیں اور نہ اس سے کبھی اشتغال رہا۔ تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ جب ہم مکتب جاتے تھے تو ہمارے راستہ میں ایک ڈوم نے بالاخانہ کرایہ پر لے رکھا تھا۔ ہم آتے جاتے سنا کرتے تھے اسی سے ہم نے کچھ معلوم کیا تھا جو ہمیں یاد ہے۔

اور اس سے زیادہ تعجب اور حیرت کی بات اور آپ کی قوتِ حفظ کا حیرت انگیز واقعہ یہ ہے کہ آپ کی تفسیر جو فن تفسیر کی ایک بالکل نادر کتاب ہے اس کو آپ نے از اول تا آخر زبانی املا کرادیا تھا جنھوں نے اس کتاب کو دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ اس میں علوم و معارف کے چشمے ابلتے نظر آتے ہیں اور معقولات و منقولات کا کیسا حسین، دلچسپ، اور لاثانی شاہکار آپ کی یہ تفسیر بن گئی ہے۔

اس تفسیر کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایئے کہ میں نے اپنے بزرگوں سے سنا بھی ہے اور کتابوں میں پڑھا بھی ہے کہ حضرت شاہ انور کشمیری جیسا بالغ نظر اور وسیع المطالعہ آدمی کہا کرتا تھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ فتح الباری لکھ کر امام بخاری کی کتاب "الجامع الصحیح" کا حق ابن حجر نے بڑی حد تک ادا کر دیا ہے لیکن ابھی قرآن کی کوئی ایسی تفسیر نہیں ہوئی جس سے کہ اس کا کچھ حق ادا ہوا ہو۔ شاہ صاحب اس کو نقل کر کے فرماتے تھے کہ اگر شاہ عبدالعزیز کی تفسیر مکمل ہو گئی ہوتی تو کسی قدر قرآن کا بھی حق ادا ہو جاتا۔

علامہ شاہ انور کی اس شہادت سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ تفسیر اپنے انداز کی کیسی مہتم بالشان اور علوم و معارف، تحقیقات و تدقیقات کی جامع تفسیر ہے۔

حضرت علامہ انور شاہ کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تفسیر مکمل نہیں ہو سکی تھی۔ لیکن صاحب نزہۃ الخواطر کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ تفسیر مکمل ہو چکی تھی لیکن اس کا اکثر حصہ غدر میں ضائع ہو گیا۔ اور یہ بات قرین قیاس بھی معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ آج بھی اس کے شروع کے دو پارے اور دو پارے اخیر کے پائے جاتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے تفسیر مکمل کر لی تھی اور بیچ کے حصے ضائع ہو گئے۔

شاہ عبدالعزیز کی تصانیف کی ایک معتدبہ تعداد ہے۔ اور بیشتر کتابیں اس زمانہ کی ہیں جب آپ مرضہائے گوناگوں میں مبتلا تھے۔

تفسیر عزیزی کا تو ابھی ذکر ہوا۔ اس کے علاوہ تحفۂ اثنا عشریہ، بستان المحدثین، عجالۂ

نافعہ، میزان البلاغہ، میزان الکلام، السر الجلیل فی مسئلۃ التفضیل سر الشہادتین، اور اس سے علاوہ بھی بعض دوسرے مختصر رسالے ہیں۔

تحفہ اثنا عشریہ شیعوں کے رد میں اپنے موضوع پر حرف آخر ہے۔ مذہب شیعہ کا رد اتنی تحقیق اور جامعیت کے ساتھ کسی دوسرے عالم کے قلم سے آج تک نہیں ہو سکا اور نہ شیعوں سے ہزار ہا کوشش کے باوجود اس کا رد لکھا جا سکا۔ شاہ عبد العزیز کا ۱۲۳۹ھ میں دہلی میں انتقال ہوا اور اپنے والد کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

ایک لطیفہ یہ بھی ہے کہ آپ اپنے چاروں بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔ مگر وفات سب کی اس طرح پر ہوئی کہ حضرت شاہ عبد الغنی جو سب سے خورد تھے ان کا سب سے پہلے انتقال ہوا۔ پھر ان سے بڑے شاہ عبد القادر کا انتقال ہوا۔ پھر ان سے بڑے شاہ رفیع الدین کا انتقال ہوا اور سب سے اخیر میں آپ کا۔

آپ کے بعد آپ کی جانشینی آپ کے نواسے شاہ اسحٰق محدث دہلوی نے کی اور اخیر زمانہ میں اس خاندان کے علوم و معارف کے آپ ہی سب سے بڑے حامل اور ناشر بنے۔

(دیکھو نزہۃ الخواطر ج ۷، اور ارواح ثلثہ)

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری

ولادت سنہ ۱۲۹۲ وفات سنہ ۱۳۵۲

خاتم المحدثین ، کاروانِ حدیث کے آخری سالار ، امام العصر ، فقیہ وقت حضرت مولانا سید انور شاہ کاشمیری سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کی شخصیت دنیائے علم وفضل کی وہ مایۂ ناز اور مخزر وزگار شخصیت تھی جو مدتوں کے بعد کبھی عالم وجود میں ظہور پذیر ہوتی ہے چمن زار کشمیر سے صدیوں بعد ایسا جامع ، ایسا محقق ، ایسا محدث اور ایسا فقیہ پیدا ہوا اور اس پر اسے جتنا بھی فخر ہو کم ہے۔

آپ سنہ ۱۲۹۲ میں وادی لولاب کے ایک چھوٹے سے گاؤں ودوان " میں پیدا ہوئے آپ کا خاندان اطراف وجوانب میں اپنے علمی ودینی رجحان اور ماحول کی وجہ سے مشہور ومعروف تھا۔ آپ کے والد اس علاقہ کے ایک مشہور شیخ بلکہ محبوب خاص وعام تھے۔ ابتدائی تعلیم آپ نے والد سے حاصل کی اس کے بعد ہزارہ تشریف لے گئے جہاں تین سال تک قیام کر کے متوسطات تک پڑھا پھر اعلیٰ تعلیم کیلئے آپ نے دارالعلوم دیوبند کا قصد کیا جسکا شہرہ اکناف عالم میں پھیلا ہوا تھا اور جس کی مسند مشیخت پر علامہ محمود حسن الملقب بہ شیخ الہند جیسا فاضل یگانہ ، ماہر علوم اسلامیہ ، جامع علوم عقلیہ ونقلیہ اور عارف باللہ بیٹھا ہوا دادِ تحقیق دے رہا تھا۔

علامہ انور شاہ ابتدا رزمانہ سے ہی خداداد ذہانت وفطانت اور قوت حفظ کے مالک تھے خود ان کے والد کا بیان ہے کہ یہ مجھ سے پڑھا کرتے تھے قدوری لیکن اس زمانہ میں بھی وہ سوال اس طرح کا کرتے کہ مجھے فتح القدیر کا مطالعہ کرنا پڑتا۔ جو شخص بچپن سے اس بلا کا ذہین ہو اس کی پیاس حضرت شیخ الہند علیہ الرحمہ جیسے انسان ہی کے یہاں بجھ سکتی تھی۔ سنہ ۱۳۰۷ میں

آپ دیوبند تشریف لائے اور یہاں تا اختتام تعلیم اساتذہ کے فیوض و برکات، ان کی تحقیقات و نوادرات سے اپنے دامنِ مراد کو بھرتے رہے۔ خاص طور پر حضرت شیخ الہند سے آپ نے حدیث کے علاوہ دوسرے فنون کا بھی درس لیا جیسے جلالین، ہدایہ اولین، قاضی مبارک ہیضاوی شریف، تصریح، شرح چغمینی، صدرا، شمس بازغہ، طب میں نفیسی وغیرہ۔ حدیث میں آپ نے شیخ الہند سے مندرجہ ذیل کتابیں پڑھیں۔

بخاری، مسلم، ترمذی، ابو داؤد، نسائی، موطا امام مالک، موطا امام محمد۔ ۱۳۱۲ھ میں آپ نے سارے فنون سے فراغت حاصل کرلی۔ اس کے بعد حضرت قطب عالم مولانا گنگوہی کی خدمت میں تشریف لے گئے اور ان کے درس حدیث میں شرکت کی۔ ساتھ ہی ساتھ باطنی فیوض و برکات بھی حاصل کرتے رہے۔

بچپن ہی سے آپ کی پختگی استعداد کا شہرہ عام تھا۔ طلبہ آپ کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے اساتذہ آپ پر محبت کی نگاہ ڈالتے۔ فراغت کے بعد آپ نے دہلی کے مدرسہ عبدالرب میں تدریس کا مشغلہ اختیار کرلیا۔ پھر آپ کے ہم درس مولوی امین دہلوی نے دہلی میں مدرسہ امینیہ کے نام سے ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی آپ اس میں آگئے اور صدارت و مشیخت کی ذمہ داری سنبھالی۔ ۱۳۱۹ھ تک یہاں آپ نے کام کیا پھر والدہ کی وفات پر آپ کشمیر تشریف لیگئے۔ چند برس وادی کشمیر کو اپنی نوا سنجیوں سے معمور رکھا۔ یہ وہ زمانہ ہے جبکہ آپ کا نام پورے ملک میں مشہور ہو چکا ہے اور علمی طبقہ میں آپ کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا ہے۔ مسائل مہمہ میں آپ کی طرف اہل علم رجوع کرتے ہیں لیکن طبیعت جو فطرتاً خلوت پسند، نہایت متواضعانہ اور صوفیانہ تھی۔ اس کا بار بار تقاضا ہو رہا تھا کہ وطن عزیز چھوڑ کر کوچۂ محبوب میں آرام کش ہو جائے۔ چنانچہ اسی ارادہ سے کشمیر سے نکلے کہ دیوبند اساتذہ سے ملاقات کرکے حجاز روانہ ہو جائیں گے لیکن اساتذہ کو جب آپ کے اس ارادہ کا علم ہوا تو انھوں نے اس کی شدت سے مخالفت کی اور آپ نے بھی ان کی مخالفت کے آگے اپنی سپر ڈالدی اور دیوبند ہی میں آپ کو اونچی کتابوں کے درس کیلئے مدرس مقرر کرلیا گیا۔

پہلے ہی سال آپ نے مسلم شریف، ابن ماجہ، اور نسائی جیسی حدیث کی اہم کتابوں کا درس دیا۔ اسی کے ساتھ ساتھ دوسرے فنون کی کتابیں بھی آپ کے سپرد رہیں۔ پھر جب حضرت

شیخ الہند حجاز تشریف لے جانے لگے اور واپسی کے متعلق کوئی واضح پروگرام نہیں تھا تو آپ نے دوسرے اکابر دارالعلوم کے مشورے سے اپنا جانشین اپنے اس قابل فخر شاگرد رشید کو مقرر کیا۔ چنانچہ آپ کو دارالعلوم کا شیخ الحدیث اور صدر مدرس مقرر کر لیا گیا اور آپ کے ذمہ بخاری و ترمذی جیسی اہم کتابیں کر دی گئیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اس وقت دارالعلوم دیوبند میں آپ کے سوا کوئی دوسرا نہیں تھا جو شیخ الہند کی جانشینی کا حق ادا کر سکتا بقول مولانا انظر شاہ۔

"اس انتخاب کے بعد آپ نے بخاری اور ترمذی کا سبق ایسے انقلاب انگیز طریقہ پر جاری کیا جس سے دارالعلوم کی تدریس و تعلیم کی پرانی روایتیں یکسر بدل گئیں۔

دارالعلوم میں آپ نے ۱۳۴۵ھ تک نہایت آب و تاب اور پوری محدثانہ شان سے حدیث کا درس دیتے رہے۔ آپ کی جامعیت اور علوم و فنون میں بے مثال مہارت کی دھوم مچ گئی۔ آپ کی شہرت ہند اور بیرون ہند کے علمی حلقے تک پہونچ گئی اور طلبۂ علوم اسلامیہ کی فوج ظفر موج دیوبند کا رخ کرنے لگی۔ یہ زمانہ عجیب باغ و بہار کا زمانہ تھا۔ پرانے حلقائے درس کی یاد تازہ ہو گئی۔

لیکن افسوس کہ اسی زمانہ میں دارالعلوم میں ایک شورش برپا ہوئی جس میں آپ کو بھی دارالعلوم کے دوسرے اساتذہ کے ساتھ مستعفی ہو جانا پڑا۔ یہ دارالعلوم اور خود شاہ صاحب بلکہ پورے علمی حلقہ کے لئے عجیب نازک دور تھا۔ لیکن اللہ نے اپنا فضل فرمایا۔ دارالعلوم کو بھی حضرت شاہ صاحب کا بدل حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی کی شخصیت میں مل گیا اور خود حضرت شاہ صاحب اہل گجرات کی طلب پر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سملک میں آ گئے جہاں آپ نے پانچ سال تک اسی زور و شور اور اسی آب و تاب کے ساتھ درس حدیث جاری رکھا تا آنکہ آپ کو بواسیر کے موذی مرض نے اپنی گرفت میں لے لیا اور ۱۳۵۲ھ میں علم و فن کا یہ آفتاب ایک عرصہ تک اپنی ضیا پاشیوں سے دنیائے علم و ادب کو روشن رکھ کر افق مغرب میں غروب ہو گیا اور دیوبند کی سرزمین میں پیوند خاک ہوا۔

حضرت شاہ صاحب کی جامعیت، ان کی عبقریت، ان کے بے پناہ علمی استحضار، مخطوطات پر وسعت نگاہ، بے مثال حافظہ، ہر فن میں ان کی انفرادیت، مسائل دقیقہ میں نظر، یہ وہ چیزیں

ہیں جسکا اعتراف سارے علمی طبقہ کی طرف سے کیا گیا ہے۔

علامہ اقبال جن کی نگاہ علوم جدیدہ کے ساتھ علوم قدیمہ پر خصوصاً فلسفہ جدید و قدیم پر بہت گہری تھی ان کا بیان ہے کہ "اسلام کی پانچسو سالہ تاریخ علامہ انور شاہ کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے ایسا بلند پایہ عالم اور فاضل جلیل اب پیدا نہ ہوگا۔ حضرت علامہ زاہد کوثری جیسا محقق اور محدث اور فاضل جلیل القدر کا علامہ کشمیری کی شخصیت پر تبصرہ حسب ذیل ہے۔

فرماتے ہیں کہ حافظ ابن ہمام کے بعد استخراج مسائل میں مولانا انور شاہ کشمیری کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی مسلم کی شرح فتح الملہم میں لکھتے ہیں کہ حضرت علامہ انور شاہ کی ذات گرامی نے اپنا مثل نہیں دیکھا ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ اگر میں بقسم کہوں کہ میں ابن حجر، ابن دقیق العید، عز الدین عبد السلام کو دیکھا ہے تو میں حانث نہیں ہوں گا اس لئے کہ میں نے انور شاہ کو دیکھا ہے جن کی ذات میں یہ سب جمع تھے۔

طلبہ جامعہ اسلامیہ کے جلسے میں آپ نے روتے ہوئے فرمایا کہ تم کیوں روتے ہو تمھاری تسلی کے لئے تو ہم ابھی کافی ہیں۔ رونا تو ہمیں ہے کہ اب کس کے پاس اپنی مشکلات علمیہ حل کرنے جائیں گے۔

حضرت شیخ الاسلام کا تاثر یہ ہے کہ آپ نے جلسۂ تعزیت دار العلوم دیوبند میں فرمایا میں نے ہندوستان، شام، مصر، حجاز، اور دیگر ممالک اسلامیہ کے علماء سے ملاقات کی ہے لیکن علامہ انور کشمیری کی نظیر کہیں نہیں پائی۔

حضرت علامہ سید سلیمان ندوی جیسے فاضل یگانہ کا تاثر یہ تھا کہ حضرت علامہ کشمیری کی مثال اس سمندر کی سی تھی جس کے اوپر کی سطح ساکن ہو اور اس کی تہ میں موتیوں کا خزانہ ہو۔

یہ چند تاثرات اور کلمات اعتراف ہیں جس سے علامہ کشمیری کی شخصیت کا کچھ اندازہ لگتا ہے۔

حضرت علامہ کی علمی و فنی انفرادیت اور خصوصیت پر طویل کلام کرنے کا یہ موقع نہیں ہے اور نہ ہمارا موضوع ہے اس کے لئے ان کی سوانح حیات پر جو کتابیں شائع

ہو چکی ہیں اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

آپ جس طرح اپنے علم و فن میں یگانہ روزگار تھے اسی طرح عفت و پاکدامنی میں بھی اپنی نظیر آپ تھے۔ خود فرماتے ہیں کہ پوری زندگی میں صرف ایک مرتبہ ایک اجنبیہ پر غلطی سے نظر پڑ گئی ہے عالم یہ تھا کہ راستے اور بازار میں چلتے تو اپنے چہرے پر اس ڈر سے رومال ڈالے رہتے کہ کہیں کسی عورت پر نگاہ نہ پڑ جائے۔ تقویٰ اور پاکدامنی کا نور آپ کے چہرے پر پھوٹا پڑتا تھا۔ جب چلتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ کوئی فرشتہ ہے جو اپنی نورانی صورت کے ساتھ زمین پر جلوہ افروز ہے۔

آپ کا حافظہ اس غضب کا تھا کہ آپ کے اساتذہ آپ کو چلتا پھرتا کتبخانہ کہتے تھے۔ اور یہ بات حلقۂ دارالعلوم سے نکلکر پورے ملک میں شہرت پا گئی اور واقعہ یہ ہے کہ جس نے بھی یہ کہا ہے سچ کہا ہے۔ عالم یہ تھا کہ ایک دفعہ اگر سرسری نگاہ سے بھی کسی کتاب کو دیکھ لیا تو عرصہ تک نہ صرف اس کے مضامین بلکہ عبارت، صفحہ، اور سطر تک محفوظ ہو جاتی تھی۔

مولانا یوسف بنوری نے حضرت مدنی کی روایت سے شاہ صاحب کا یہ مقولہ نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ جب میں کسی کتاب کو سرسری نگاہ سے دیکھتا ہوں اور مقصود اس بحث کا براہ راست مطالعہ نہیں ہوتا ہے جب بھی اس کے مضامین سطر اور صفحہ کے ساتھ پندرہ سال تک محفوظ رہتے ہیں۔

میرٹھ میں ایک غیر مقلد کے مقابلہ میں آپ ایک مجلس مناظرہ میں شریک تھے اس غیر مقلد عالم سے آپنے کہا کہ آپ اہل حدیث ہیں اور حافظ حدیث ہونیکے دعویدار ہیں۔ اگر یہ سچ ہے تو بخاری شریف کے کچھ صفحات مجھ کو سنا دیجئے۔ غریب غیر مقلد عالم حیران و ششدر رہ گیا، رسوائی کا سامان موجود تھا اس نے عافیت اسی میں سمجھی کہ خود شاہ صاحب سے اس کا مطالبہ کر کے اپنی جان چھڑائے اس نے کہا آپ ہی کچھ صفحات سنائیں۔ مولانا اعزاز علی صاحب کا بیان ہے کہ آپ نے ابتداء کتاب سے مسلسل پچیس تیس صفحے پڑھنے کے بعد مجمع سے پوچھا کہ یہ کافی ہے یا اور سناؤں۔ پھر جب حریف کو دیکھا گیا تو مجلس مناظرہ سے غائب تھا۔

حضرت مولانا یوسف صاحب بنوری فرماتے ہیں:

شاہ صاحب نے ۱۳۲۱ھ میں فتح القدیر کا مطالعہ فرمایا اور ۱۳۴۷ھ میں بخاری کے درس میں فرمایا کہ چھبیس سال ہو گئے فتح القدیر کا مطالعہ کیا تھا۔ اس کے بعد مراجعت کی ضرورت پیش نہیں آئی جو کچھ بیان کروں گا اگر مراجعت کرو گے تو تفاوت کم پاؤ گے۔

اس بات کی اہمیت کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنھوں نے فتح القدیر جو آٹھ ضخیم جلدوں اور ہزاروں صفحات پر پھیلی ہے اس کا مطالعہ کیا ہے اور اس کے دقیق مباحث سے واقف ہیں۔

مسند احمد کا جب آپ نے مطالعہ شروع کیا تو دو سو صفحات روزانہ کا اوسط تھا اور وہ بھی اس طرح کہ احناف کے دلائل بھی اس سے استخراج کرتے جاتے تھے۔ مطالعہ کی اس رفتار کے باوجود آپ کے ذہن میں عبارتیں، سطریں اور صفحات تک کا نقش کالحجر ہوتے چلے جاتے تھے۔

آپ کے حافظہ کا ایک دلچسپ قصہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک دفعہ ایک عالم علمائے دیوبند کے پاس ایک تحریر لائے اس میں ائمہ احناف میں سے ایک مسلّمہ شخصیت کا ایسا قول بھی پیش کیا گیا تھا جس سے اکابر دیوبند کے نظریات کی تغلیط ہوتی تھی لوگ حیران تھے کہ کیا کیا جائے کہ یہ تحریر شاہ صاحب کی خدمت میں پیش کی گئی آپ نے ایک نظر ڈالکر فرمایا کہ حوالے کے نقل میں جعل و تصرف کیا گیا ہے۔ فلاں کتاب سے یہ عبارت نقل کی گئی ہے اور یہ کل تین سطریں ہیں۔ درمیان میں سے ایک سطر حذف کر دی گئی ہے چنانچہ جب لوگوں نے اصل سے مقابلہ کر کے دیکھا تو بات وہی تھی جو شاہ صاحب نے فرمائی۔

آپ کی قوتِ حفظ کا یہ عالم آخری وقت تک تھا۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کا بیان ہے کہ میں ابوالحسن کذاب کے متعلق کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا لیکن کوئی ایسا ماخذ نہیں مل رہا تھا جس میں اس کا بیان ہو۔ میں شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا آپ صاحب فراش تھے اور مرض سے نڈھال تھے۔ پھر بھی میں نے آپ سے اپنی مشکل کا ذکر کیا تو آپ نے اس کی پیدائش سے لیکر وفات تک کے اور اس کے دروغ گوئی کے واقعات اس تفصیل سے بیان فرمائے کہ مجھے اب اس کے بعد کسی دوسری کتاب دیکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اس کے بعد قاری صاحب فرماتے ہیں

حیرانی یہ تھی کہ یہ بیان اس طرز سے ہو رہا تھا کہ گویا حضرت ممدوح نے آج ہی شب میں مستقلاً اسی کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے جو اس بسط کے ساتھ سن وار واقعات بیان فرما رہے ہیں میں نے تعجب آمیز لہجہ میں عرض کیا کہ حضرت شاید کسی قریب ہی زمانہ میں اس کی تاریخ دیکھنے کی نوبت آئی ہوگی۔ سادگی سے فرمایا کہ جی نہیں آج سے تقریباً چالیس سال کا عرصہ ہوتا ہے جب میں مصر گیا ہوا تھا تو خدیوی کتب خانہ میں مطالعہ کے لئے پہنچا تو اتفاقاً اسی ابوالحسن کذاب کا ترجمہ سامنے آگیا بس اسی وقت جو باتیں کتاب میں دیکھیں حافظہ میں محفوظ ہوگئیں جنکا میں نے اس وقت تذکرہ کیا۔ آگے قاری صاحب فرماتے ہیں۔

یہی نہیں بلکہ جس علم و فن میں گفتگو فرماتے تبحر و استحضار کی یہی نوعیت ہوتی تھی گویا اس مسئلے کو ابھی دیکھکر اور ذہن میں سمیٹ کر آرہے ہیں۔

مولانا گیلانی فرماتے ہیں کہ میرا اندازہ تھا کہ مجموعی طور پر نصف لاکھ یعنی چالیس پچاس ہزار سے کم تعداد ان عربی اشعار کی نہ ہوگی۔ جو شاہ صاحب کو زبانی یاد تھے جنھیں جس وقت جی چاہتا وہ سنا سکتے تھے۔

یہ ایک فاضل کا صرف عربی اشعار کے بارے میں اندازہ ہے۔ اگر اردو اور فارسی۔ جو شاہ صاحب کی عموماً عربی کے بعد خطوط کی زبان ہی تھی کے اشعار بھی شامل کر دیئے جائیں تو کیا تعجب ہے کہ محفوظ اشعار کی تعداد ایک لاکھ سے بھی زیادہ ہو جائے۔

مولانا محمد ادریس کاندھلوی کا ارشاد ہے کہ حافظہ کا یہ عالم تھا کہ جو ایک دفعہ سن لیا اور دیکھ لیا وہ ضائع ہونے سے محفوظ اور مامون ہو گیا گویا کہ اپنے زمانہ کے زہری تھے۔

اخیر زمانہ میں جب قوی میں انحطاط پیدا ہو گیا تھا تو اپنے ضعف حافظہ پر ایکدن افسوس کرتے ہوئے فرمایا۔

پہلے میرا یہ حال تھا کہ اگر آج ایک مضمون متعدد کتابوں میں دیکھوں اور مجھے ان کتابوں کی عبارت نقل کرنی ہو لیکن کسی وجہ سے آج نقل نہ کر سکوں اور کل بھی موقعہ نہ مل سکے تو پرسوں تک اس کی قدرت رہتی تھی کہ ہر کتاب کی اصل عبارت صفحہ کے حوالہ کے ساتھ دوبارہ کتاب دیکھے بغیر نقل کر سکتا تھا لیکن اب حافظہ اتنا کمزور ہو گیا ہے کہ صبح

کی دیکھی کتابوں کی عبارتیں شام تک تو نقل کر سکتا ہوں۔ لیکن ایک رات درمیان گذر جانے کے بعد کل نقل نہیں کر سکتا۔ (بروایت مولانا منظور نعمانی)

مولانا منظور نعمانی اپنا ایک واقعہ نقل کرتے ہیں کہ انھیں سورہ لنساء کے سولہویں اور سترہویں رکوع کی آیتیں جو ایک خاص واقعہ کے سلسلے میں نازل ہوئیں۔ معلوم کرنا تھا کہ یہ واقعہ کس سنہ میں پیش آیا تھا۔ دیوبند کتب خانہ میں تفسیر کی جو جو کتابیں ملیں انھوں نے وہ سب دیکھ ڈالیں مگر واقعہ کا سنہ اور زمانہ کہیں معلوم نہ ہو سکا عاجز آ کر حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مجھے فلاں واقعہ کے سن وقوع کی تلاش ہے۔ کتابوں میں دیکھا مگر مجھے نہیں ملا؟ فرمایا کون کون سی کتابیں آپ نے دیکھیں؟ انھوں نے چند تفسیروں کے نام گنائے۔ فرمایا درمنثور میں نہیں دیکھا؟ انھوں نے عرض کیا کہ درمنثور کا نسخہ کہیں گیا ہوا ہے۔ اس کو نہیں دیکھ سکا فرمایا جاؤ اس کو دیکھ لو اس میں مذکور ہے۔

مولانا نعمانی فرماتے ہیں کہ درمنثور کو دیکھا تو ابن سعد کی ایک روایت میں یہ صریح الفاظ موجود تھے۔

وکان ذالک فی شھر ربیع سنۃ اربع (یہ واقعہ ماہ ربیع سنہ ۴ھ میں پیش آیا) گویا جو چیز بھی حضرت نے کسی کتاب میں دیکھی تھی وہ حافظہ کے خزانہ میں ہمیشہ کیلئے محفوظ ہو گئی تھی۔

علامہ انورشاہ کشمیری کی قوت حافظہ کی یہ چند مثالیں ہیں جو پیش کی گئیں اندازہ لگائیے کہ جب عالم اسلام کے انتہائی دورانحطاط میں بھی خاک ہند سے ایسی ہستی وجود میں آ سکتی ہے تو جب اسلام کا دور شباب تھا تو اس وقت کے حفاظ حدیث کا جو حال ہو گا وہ ظاہر ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اللہ نے اس امت پر ایک بڑا احسان یہ بھی کیا کہ دین کی حفاظت کے لئے ہر دور میں ایسے افراد پیدا ہوتے رہے جو قلم و قرطاس سے بے نیاز ہو کر اپنے سینوں میں دین کو محفوظ رکھتے تھے۔ قرآن و حدیث کا ایک ایک لفظ۔ نبیؐ کی ایک ایک سنت، حیات رسولؐ کا ایک ایک گوشہ انھیں سینوں سے محفوظ ہوتا ہوا

سفینوں تک آیا ہے۔ رحمہم اللہُ رحمۃً واسعۃً:

۱

(ترجمہ اور نوٹ کیلئے دیکھو، نفحۃ العنبر، حیات انور، نقش دوام)

مصادر ومراجع

(۱) اتحاف النبلاء
(۲) الانساب (للسمعانی)
(۳) اخبار ابی حنیفہ وصاحبیہ
(۴) ارواح ثلاثہ
(۵) البدایہ والنہایہ
(۶) بخاری شریف
(۷) بغیۃ الوعاۃ
(۸) البدر الطالع
(۹) تذکرۃ الحفاظ
(۱۰) تاریخ بغداد
(۱۱) تہذیب الاسماء واللغات
(۱۲) تاریخ ابن عساکر
(۱۳) جامع بیان العلم وفضلہ
(۱۴) الجواہر المضیئۃ
(۱۵) حیاتِ انور
(۱۶) درر کامنہ
(۱۷) ذیل المذیل
(۱۸) شذرات (للحافظ الحنبلی)
(۱۹) الضوء اللامع
(۲۰) طبقات الشافعیہ
(۲۱) طبقات ابن سعد
(۲۲) عقود الجمان
(۲۳) مناقب کردری
(۲۴) مناقب موفق
(۲۵) مفتاح السعادۃ
(۲۶) مرآۃ الجنان
(۲۷) مقدمہ اوجز المسالک
(۲۸) مقدمہ فتح الباری
(۲۹) نزہۃ الخواطر
(۳۰) نفحۃ العنبر
(۳۱) وفیات الاعیان

کاتب محمد عباس جلالپور